مطبوعات جدیدہ

اسلامی نظام معیشت از جناب مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ رپتہ:۔ مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور یوپی

اس دور کا سب سے اہم مسئلہ معاشی و اقتصادی ہے، بین الاقوامی سیاست کا اصل مرکز و محور یہی مسئلہ ہے، اسی نے دنیا بھر میں سرمایہ داری اور کمیونزم کی کشمکش کا ہنگامہ برپا اور عالم انسانیت کو امن و سکون سے محروم کر رکھا ہے، اس کتاب میں اسلامی نقطۂ نظر سے ان مشکلات کا حل پیش کیا گیا ہے، اور مادی تصورِ حیات کی خرابیاں اور معاشی و اقتصادی معاملات پر اس کے بُرے اثرات و نتائج دکھا کر ثابت کیا گیا ہے کہ یہ ساری کشمکش اور ہنگامہ آرائی درحقیقت نتیجہ ہے انسان کے مادی تصورِ حیات کا جب تک یہ تصور نہیں بدلتا اس وقت تک اس کے پیدا کردہ مشکلات و مصائب کا بھی خاتمہ نہیں ہوتا، اس کے بعد کسی قدر تفصیل سے دینی تصورِ حیات کے دینی اخلاقی اثرات و نتائج دکھا کر اسلامی نظام معاشیات کی روشنی میں جملہ معاشی مشکلات کا تفصیلی حل پیش کیا گیا ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دینی تصورِ حیات اور اسلامی معاشیات پر عمل ہی ان تمام مشکلات کا واحد حل ہے، اس کے بغیر دنیا سے اقتصادی کشمکش کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، اس موضوع پر اس سے زیادہ بسط و شرح کے ساتھ بحث کی جا سکتی تھی، تاہم یہ مختصر کتاب بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے،

تمرین النحو از جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب و مولوی عبد الماجد صاحب ندوی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۳۶ صفحات کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ،

موجودہ حالات و ضروریات کے لحاظ سے عربی صرف و نحو کا پرانا نصاب اور اس کا طریقۂ تعلیم نہایت ناقص ہے، اس سے طلبہ کا وقت بھی بہت ضائع ہوتا ہے، اور قواعد کے برتنے کی پوری مشق بھی پیدا نہیں ہوتی، اس لئے اب اردو میں جدید طرز کی متعدد درسی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن کے ذریعہ کم سے کم وقت میں صرف و نحو کی پوری تعلیم دی جاتی ہے، نحو کی تعلیم و مشق کیلئے تمرین النحو بھی اسی طرز کی نئی کتاب ہے، اس کے ذریعہ تھوڑے ہی دنوں میں نحو کی تعلیم اور اس کے قواعد کو جملوں اور عبارت میں برتنے کی پوری مشق ہو جاتی ہے، اس لئے یہ کتاب عربی مدارس کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے،

"م"

جلد ۷۳ ماہ شعبان المعظم ۱۳۷۳ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۵۴ء عدد ۴

مضامین

شذرات

ابھی حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ کا غم نہ بھولا تھا کہ ندوہ کے ایک نامور فرزند مولانا مسعود عالم ندوی کا ماتم کرنا پڑا، مرحوم نے چند گھنٹوں کی علالت کے بعد ۱۶ مارچ کو کراچی میں وفات پائی، وہ ندوہ کے اس دور کی بہترین یادگار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، عربی کے ممتاز ادیب اور انشاپرداز تھے، انگریزی سے بقدر ضرورت واقفیت اور اردو کا ستھرا مذاق رکھتے تھے، اُن کے مضامین مصر و شام کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے تھے اور اہل زبان داد و خراج تحسین حاصل کرتے تھے، ابتدا میں ندوہ میں ادب کے مدرس تھے، اسی زمانہ میں انھوں نے حضرۃ الاستاذ کی نگرانی میں عربی کا ایک سالہ الضیاء نکالا تھا، جو چند سال نکلنے کے بعد بند ہو گیا، اس کے بعد اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں فہرست نگار ہو گئے اور انگریزی میں عربی کے متفرق مخطوطات کی فہرست کی ایک جلد مرتب کی جو چھپ کر شائع ہو گئی ہے،

ان میں مسلمانوں کی دینی اصلاح کا جذبہ شروع سے تھا، اور وہ وقتاً فوقتاً اصلاحی مضامین لکھتے رہتے تھے، اس سلسلہ میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی پر معارف میں ایک طویل مضمون لکھا تھا جو بعد میں ترمیم و اضافہ کے بعد کتابی صورت میں شائع ہوا، اسی جذبہ کے ماتحت وہ جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے اور پاکستان ہجرت کر گئے تھے، اسکے وہ بڑے سرگرم کارکن تھے، اُن کی شرکت سے اس تحریک کو بڑا فائدہ پہنچا، اس کو مضامین کے ذریعہ اسلامی ملکوں میں روشناس کرایا، اسکی تبلیغ و اشاعت کیلئے عراق و شام کا سفر کیا، اسکی متعدد اہم کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا، ابھی حال میں ہندوستان میں اسلامی دعوت کی تاریخ اور جماعت اسلامی کے اغراض و مقاصد اور اسکے کاموں پر عربی میں ایک کتاب نظرۃ اجمالیۃ فی تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند والپاکستان لکھی تھی جو مصر میں چھپی ہے، اردو میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی سوانح عمری، اسلام اور اشتراکیت، اور عراق و عرب کا سفرنامہ

ان کی قلمی یادگار ہیں،

مرحوم کو حضرت الاستاذ اور دار المصنفین سے بڑا گہرا تعلق تھا، وہ بھی اُن کو بہت مانتے تھے، اس تعلق کو انھوں نے اُن کی وفات کے بعد بھی قائم رکھا، اپنی وفات سے چند ہی دنوں پیشتر میری فرمائش پر معارف کے سلیمان نمبر کیلئے ایک مضمون لکھکر بھیجا تھا جو غالباً اُن کا آخری مضمون ہے، مگر کیا خبر تھی کہ اسکی اشاعت سے پہلے ہی خود مضمون نگار یادگار بن جائیگا، اس مضمون کو بھیجنے کے بعد ہی وہ مصر و شام کے سفر کے ارادہ سے راولپنڈی سے کراچی گئے تھے کہ پیام اجل آگیا اور دیار عرب کے مسافر نے سفر آخرت کی راہ لی، ابھی کل ۴۴، ۴۵ سال کی عمر تھی، جو علمی دنیا کے لئے گویا عنفوان شباب کی عمر ہے، اُن کی ذات سے بڑی توقعات وابستہ تھیں، افسوس موت نے ان سب کا خاتمہ کر دیا، والبقاء للہ وحدہ، اللہ تعالیٰ انکی دینی خدمات کے طفیل میں اُن کو اپنی رحمت و مغفرت کے انعام سے مالا مال، اور مسعود عالم کو عالم آخرت کی سعادتوں سے سرفراز کرے،

یادش بخیر ٹنڈن جی ہمیشہ اپنے لطائف سے کچھ نہ کچھ سامان تفریح فراہم کرتے رہتے ہیں، اس مرتبہ انکی ہندی نوازی و اردو دشمنی کا نزلہ دار المصنفین کی جانب رجوع ہو گیا، اور وزارت تعلیم کے اس جرم پر پارلیمنٹ میں بہت گرجے ہیں کہ اس نے دار المصنفین جیسے ادارہ کو ساٹھ ہزار کی مدد دی جو اردو کا بھی ادارہ ہے اور اسلامی کلچر کا ترجمان بھی یعنی ایک تو کڑوا کریلا دوسرے نیم چڑھا، اس لئے اسکی امداد تو اُن کی نگاہ میں دوہرا جرم ہے، مولانا ابو الکلام نے اپنی جوابی تقریر میں اس تنگ دلی کا ایسا مدلل اور دندان شکن جواب دیا ہے کہ پوری ہاؤس نے اوس کی تحسین کی، اور انگریزی کے تقریباً تمام اخبارات نے اسکی داد دی، اس جواب کے بعد اس کے متعلق کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں ہے، مگر ٹنڈن جی کے لطائف کی داد نہ دینا بد مذاقی ہو گی، وہ ہندی کی حمایت اور اردو کی مخالفت کے جوش میں ہمیشہ حقیقت اور معقولیت سے ایسی آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ انکو یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور جو زبان پر آجاتا ہے کہتے چلے جاتے ہیں، بلاشبہ دار المصنفین اردو کا بھی ادارہ ہے اور بقول ان کے اسلامی کلچر کا بھی، مگر کیا جس ملک میں ساڑھے چار کروڑ مسلمان آباد ہوں اور حکومت کو ٹیکس بھی ادا کرتے ہوں، اس ملک میں ان کا ایک اہم ادارہ ساٹھ ہزار کی امداد کا بھی مستحق نہیں ہے، اور سیکولر حکومت کا فرض صرف ہندی نوازی ہے،

حکومت لاکھوں روپے ہندی کی ترقی و اشاعت پر صرف کر رہی ہے اگر اس نے ایک دو ادارہ کو ساٹھ ہزار کی رقم دیدی تو کونسا بڑا کام کیا
اس میں شبہ نہیں کہ حکومت نے بڑے نازک وقت میں یہ امداد کی اور دارالمصنفین کو فوری خطرہ سے بچا لیا لیکن اس سے خود حکومت
کو بھی فائدہ پہنچا، ہندوستان کے مسلمان اس کے شکر گذار ہوئے، دوسرے اسلامی ملکوں میں اس کو نیکنامی حاصل ہوئی اور اسکی
علم دوستی کا شہرہ ہوا، دارالمصنفین کی شہرت تنہا ہندوستان تک محدود نہیں بلکہ دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی ہے، اگر محض
ساٹھ ہزار کی رقم کی وجہ سے یہ ادارہ ختم ہو جاتا تو اسلامی ملک حکومت ہند کے متعلق کیا رائے قائم کرتے، اس امداد سے ان ملکوں
میں اسکی سیکولرزم کا بھرم قائم ہوا، اور اس نے اپنے کو شماتت ہمسایہ سے بھی بچا لیا، لیکن ٹنڈن جی کو ان فوائد اور مصالح سے
کیا غرض ان کو تو اردو اور اسلامی کلچر کے نام سے چڑھ ہے خواہ ملک کے حق میں اس کا نتیجہ کچھ ہی نکلے، مگر ان کو یقین کر لینا چاہئے
کہ جب تک مسلمان ہندوستان میں موجود ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ رہیں گے، اس وقت تک یہ دونوں تیر ان کی چھاتی پر ٹھہرے
رہیں گے، اور اس غم سے ان کو تاعمر نجات نہ ملے گی،

ٹنڈن جی کو یہ معلوم کر کے اور بھی قلق ہوا ہوگا کہ اس امداد کی ذمہ داری تنہا مولانا ابوالکلام پر نہیں ہے بلکہ اس میں بڑا
ہاتھ پنڈت جواہر لال نہرو کا ہے، ان کو دارالمصنفین سے بہت پرانا تعلق ہے، اور وہ اسکی علمی اہمیت اور سیاسی
خدمات سے پوری طرح واقف ہیں، اسلئے اس امداد میں ان کی اتنی پرزور تائید شامل تھی کہ اس کو تحریک کہنا بیجا ہوگا

جناب آصف فیضی صاحب سابق سفیر مصر و حال ممبر یونین پبلک سروس کمیشن انڈین یونین کے ایک بڑے
عہدہ دار ہی نہیں بلکہ ایک ممتاز صاحب علم و نظر بھی ہیں اور دارالمصنفین کے پرانے قدردانوں میں ہیں، چنانچہ گذشتہ مہینہ
محض اس کو دیکھنے کے لئے انھوں نے اعظم گڈھ کے سفر کی زحمت گوارا کی، اگرچہ بعض اتفاقی موانع کی وجہ سے ان کا قیام
بہت مختصر رہا، مگر اس مختصر صحبت میں اپنے علم و اخلاق کا گہرا نقش چھوڑ گئے، ان میں عہدہ کی شان و شوکت کے بجائے
علم کی بڑائی اور بڑی سادگی اور بے تکلفی ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مدتوں ان کا ساتھ رہ چکا ہے، ان کی آمد
تو محض برائے نام رہی مگر آئندہ اس کی تلافی کا وعدہ کیا ہے، خدا کرے جلد اس کے ایفا کی نوبت آئے،

مقالات

ارتقاء انسانی

کا

ایک نیا زاویۂ نگاہ

از لیفٹنٹ کرنل ڈاکٹر خواجہ عبد الرشید صاحب بی، اے، ایم، سی،

"فاضل مضمون نگار ایک تجربہ کار ڈاکٹر اور راسخ العقیدہ مسلمان ہیں، مذہب کا درد رکھتے
ہیں، ان کا مذہبی مطالعہ بھی خاصہ وسیع ہے، جس کا اندازہ ان کے مضامین سے ہوتا ہے، انھوں
نے اس مضمون میں انسان کی تخلیق اور اس کے ارتقاء پر ایک نئے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے،
جو مذہب، تاریخ اور سائنس سے ملا جلا ہوا ہے، اگرچہ ہم کو ان کے تمام خیالات و دلائل سے اتفاق
نہیں ہے، لیکن یہ مضمون علمی ہے، اور اس میں ایک جدت ہے، اور اس کی بہت سی باتیں
قابل غور ہیں، اس لئے ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے اس کو شائع کیا جاتا ہے،" "م"

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی کا قول ہے کہ[1] ابتدائے آفرینش حضرت آدم علیہ السلام سے نہیں ہوئی
بلکہ آدم علیہ السلام سے بہت پہلے بھی دنیا میں لوگ موجود تھے، نیز اللہ تعالیٰ نے دولاکھ آدم پیدا کئے خلق اللہ
مائیتی الف آدم،

ہمیں آج ان دونوں نظریوں کے متعلق کچھ عرض کرنا مقصود ہے، واللہ المستعان، ذیل میں جو

[1] فتوحات مکیہ،

کچھ عرض کیا جائے گا، اس میں یہ بات مدنظر رکھی جائے گی کہ قرآن حکیم کو اپنی جگہ سے نہ ہٹایا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ کس طرح جدید سائنس بڑھ کر قرآن حکیم کے اٹل قوانین کا استقبال کرتی ہے، تسخیر اکبر سے ہمیں پہلی بات پر تو اتفاق ہے لیکن دوسری سے نہیں ہے، ذیل میں اس کی کوشش کی گئی ہے کہ ان دونوں نظریوں کی تصدیق اور تردید از روئے قرآن کریم کی جائے،

تخلیق انسانی ڈارون کے نظریے سے پہلے ہمارے پاس شعوری طور پر کوئی ایسی معلومات نہ تھیں جن سے انسان کے ارتقائی مسائل پر روشنی پڑتی، گو قرآن کریم میں یقیناً ایسا مواد موجود تھا[1] لیکن مفسرین اور فلاسفروں کی نگاہیں اس طرف نہ اٹھی تھیں، اس لئے جب وقت ڈارون نے اپنا نظریۂ ارتقاء پیش کیا، تو دنیا ایک دم سے چونک اٹھی، کسی کو مذہبی نقطۂ نظر سے اس پر شدید اعتراض تھا، کوئی اخلاقی اور افادی طور پر اس سے متفق نہ تھا، ڈارون کا نظریہ مختصر طور پر یہ تھا کہ انسان بتدریج بندروں سے ارتقاء کر کے انسان بنا ہے، اس کے پاس دوسرے امور کے علاوہ دو وجوہ ایسے تھے جن پر اس کے نظریہ کا دارومدار تھا، ایک انسان

---

[1] یدبر الامر من السمآء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقداره الف سنة مما تعدون
اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارتقائی منازل طے کرنے کی مدت بیان کر دی ہے، یہ بات قابل غور ہے کہ یوم کا اطلاق قرآن کریم میں تین قسم پر ہوتا ہے، ایک وہ دن جسے ہم دن کہتے ہیں، ایک وہ دن جسے "یوم ربی" کہا جاتا ہے، اور جو ایک ہزار سال کے برابر ہے جس کا آیت متذکرہ میں ذکر ہے، تیسرا وہ دن جس کو "یوم الٰہی" کہتے ہیں، اور جس کی میعاد پچاس ہزار سال کی ہوتی ہے، تعرج الملائکة والروح الیه فی یوم کان مقداره خمسین الف سنة، یہ دن انسان کبیر یعنی اس عالم کی تخلیق اور تربیت کے لئے مقرر کیا گیا ہے،

مسلمان حکماء میں کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں جنھوں نے مسئلۂ ارتقاء پر غور و فکر کیا ہے، اُن کے نام یہ ہیں (۱) ابن سینا (۲) ابن باجہ (۳) ابن مسکویہ (۴) مولانا رومی لیکن ان لوگوں کے نظریات کو وہ درجہ نہیں دیا جا سکتا جو جدید سائنس کی ریسرچ کا ہے، اور جو اس کے محققوں نے حاصل کیا ہے، ہماری بحث صرف جدید نظریات سے ہے،

کی بندروں سے مشابہت اور دوسرے نظریۂ تلخیص (Recapitulation Theory) اس نظریہ کی رو سے اُس نے مشاہدہ کیا کہ حمل قرار پا جانے کے بعد جب بچہ ماں کے رحم میں نشو و نما پاتا ہے، تو وہ ان تمام مدارج سے گذرتا، جو سلسلۂ ارتقاء کی کڑیاں ہیں، یعنی جس طرح زندگی جب پانی سے باہر آئی، تو خلیے:- (Cell) مختلف شکلوں میں تبدیل ہو کر مچھلیاں جونکیں، اور مینڈک وغیرہ بن گئے، اسی طرح جنین بھی اس وقت تک فرداً فرداً ہر ایک کی شکل اختیار کرتا رہتا ہے جب تک مکمل انسان کی شکل اختیار کرے، ڈارون کے نزدیک یہ اس کے نظریہ کا بڑا مستحکم ثبوت تھا کہ انسان کی نشو و نما بتدریج اسی طرح وقوع پذیر ہوتی ہے،

اب آیئے ذرا قرآن کریم میں دیکھیں کہ وہ اس بارے میں کیا کہتا ہے،

واللہ خلق کل دآبة من	اور اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پانی
مآء فمنهم من یمشی علیٰ بطنه	سے پیدا کیا، ان میں سے بعض اپنے پیٹ
ومنهم من یمشی علیٰ رجلین ومنهم	کے بل چلتے ہیں، بعض دو ٹانگوں کے
من یمشی علیٰ اربع ط	سہارے اور بعض چار ٹانگوں کے سہارے چلتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۶) یہ نظریہ درحقیقت ڈارون کا ایجاد کردہ نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی بہت پہلے موجود تھا، البتہ ڈارون نے اسے سب سے بڑھ کر استعمال کیا ہے، اور اسے مسئلۂ ارتقاء کا ایک جزو بنا دیا ہے، اس مسئلہ کے نشانات ہمیں تقریباً دو ہزار برس پہلے کے ملتے ہیں، چنانچہ تھیلیز (Thales) جو چھ سو (۶۰۰) ق م میں ہوا ہے اس بات کا قائل تھا کہ ہر جاندار پانی سے بنا ہے، اُس نے یہاں تک لکھ دیا تھا کہ ایک زمانہ میں انسان مچھلی تھا (کتاب جوزف میکیب دی ایولیوشن) اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات بھی ڈارون کے زمانہ سے بہت پہلے معلوم تھی کہ تمام جانور جنینی (Embryonic) حالت میں فرداً فرداً ان تمام حالات سے ہو کر گذرتے ہیں، جن سے اُن کے آباؤ اجداد ہو کر گذرے تھے، یعنی ان کا ارتقاء مکمل ہوا تھا"

اس آیت کریمہ مین پہلی بات غور طلب لفظ "دابۃ" ہے، اس کے تحت وہ تمام جانور آجاتے ہین جو چلنے
اڑنے والے ہون یا رینگنے والے ہون، یہان یہ بات نہایت غور کے قابل ہے کہ یہ لفظ اسم فاعل کا صیغہ ہے
جو مذکر اور مونث دونون کے لئے مستعمل ہے، تا محض وحدت کی علامت ہے، دوسری بات غور طلب "علی
بطنہ" اور تیسری اور چوتھی غور طلب "علی رجلین اور علی اربع" ہے، جدید ارتقائی اصطلاحات کے مطابق ہم ان
درجون کی تقسیم یون کر سکتے ہین :-

(۱) Reptiles. (ب) Birds

(ج) Animals.

ہم نے یہان آخر مین (Mammals) نہین لکھا ہے کیونکہ اس مین انسان بھی
شامل ہو جاتا ہے، اور صرف (Animal) ہی پر اکتفا کی ہے، جو (Mammal)
بھی ہے، اور اس سے قرآن کریم کا مفہوم بھی ادا ہوتا ہے، کیونکہ دابۃ کے لفظ مین جانور ہی شامل ہین
انسان شامل نہین ہے، اور نہ نباتات اس مین آتے ہین، اگرچہ انسان کی دو ٹانگین ہی کیون نہ ہون اور
ٹانگون والے جانور بھی ہوتے ہین، انسان کو جانور یا دابۃ ہرگز نہین کہہ سکتے،

یہان تک تو ڈارون کا نظریہ بالکل درست ہے، اور وہ قرآن کریم کی تصدیق کرتا ہے، اس تخلیق کے
ماتحت اللہ تعالی نے کروڑون قسم کے جانور پیدا کئے، جو اڑنے والے بھی ہین، رینگنے والے بھی یعنی پیٹ
کے بل چلنے والے، اور چار ٹانگون والے چوپائے بھی، اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ان کا ارتقاء بتدریج ہوا
اور ایک سے ایک بنتا چلا گیا، اس مین ماحول کو بھی دخل تھا، اور آب و ہوا کو بھی جس کے مطابق نئی نئی شکلین
ڈھلتی گئین، اب رہی یہ بات کہ یہ تمام جانور پانی سے کیسے پیدا ہوئے، اس کا ابتداء ارتقاء کی تفصیلات سے مل
سکتا ہے، جن کا بیان کرنا نہ نظر ہے، سر دست اس کو مختصر طور پر اس طرح تصور کر لیا جائے جیسے ایک جیلی
(Cell.) کی صورت تھی جس مین اللہ تعالی نے اپنی قدرت کے تمام امکانات شامل کر دیے

اور یہ تقسیم ہوتے ہوتے کیا سے کیا بن گیا، یہی زندگی کا اولین مادہ تھا جس مین منقسم ہونے کی خاصیت، اللہ
تعالی نے ودیعت کر دی تھی، یہ تو تھی تخلیق حیوانات، اب ہم اپنے اصلی موضوع یعنی تخلیق انسانی کی طرف
رجوع کرتے ہین، ہم اس تخلیق کے اولین مراحل کو تخلیق اولی سے تعبیر کرین گے جس کے وجوہ آگے چل کر بیان
کئے جائین گے،

تخلیق اولی

ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین، ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ اور نچوڑ سے بنایا،

اس آیت مین غور طلب لفظ "سللۃ" ہے، اس کا مطلب ہے نچوڑی ہوئی، "سل" اس کا اسم مشتق ہے
جس کے معنی ہین، کھینچ کر نچوڑنا، اس لئے یہ بات تو ظاہر ہے کہ نچوڑی وہی چیز جا سکتی ہے جس مین پانی کا عنصر
موجود ہو ورنہ نچوڑنا بیکار ہے، گویا یہان بھی انسان کی تخلیق کے لئے زندگی کا عنصر پانی ہی سے آیا، ذرا
غور فرمایا آپنے اس نچوڑی ہوئی مٹی سے کیا بنایا اللہ تعالی نے؟ انسان! آدم اور بشر نہین، اور نہ دابۃ،
بلکہ ایسی مٹی سے صرف انسان کی تخلیق ہوئی، بشر اور آدم تو انسان کی بعد کی حالتین ہین، ہم ان کا ذکر بھی
کرین گے، فی الحال اتنی ہی بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اللہ تعالی نے اس "سللۃ من طین" سے انسان
کو ہی بنایا، طین گارے یا کیچڑ کو کہتے ہین یعنی جس مٹی سے پانی نچوڑ دیا گیا ہو، اور یہ گارا یا کیچڑ نہ تو اتنا
پتلا ہو کہ بہ جائے، اور نہ ہی اتنا سخت ہو کہ اسے ڈھالنے مین دقت پیش آئے، بلکہ ایسا ہو کہ اس سے شکل
ڈھل سکے، اور وہ ٹھہرا رہے، گویا اللہ تعالی نے اس پانی کے کنارے والی مٹی کو انسان کی شکل مین
ڈھالا، مٹی کا عنصر انسان کی تخلیق کے لئے لازمی تھا، اور پانی کا جزو اسے زندگی بخشنے کے لئے اہم تھا کہ وہی
اصل سرچشمہ حیات ہے، مٹی اور پانی کے امتزاج سے جو چیز اللہ تعالی نے بنائی وہ انسان تھا،

ولقد خلقنا الانسان من صلصال ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے

من حمإ مسنون ٥ — ہوئے گارے سے بنی تھی، پیدا کیا،

اس آیت کا بھی وہی مطلب ہے، جو مذکورۂ بالا آیت بیان کر رہی ہے، صرف اس میں طین کے لفظ کی ذرا اور وضاحت کر دی گئی ہے،

یہی وہ انسان تھا جسے احسن تقویم میں بنانے کا اللہ تعالیٰ نے خاص اہتمام کیا، اور اس کو اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق بنایا، اور اس کو یہ مزید شرف بخشا:

ثم سوّٰہ ونفخ فیہ من روحہ	پھر ہم نے اس کے اعضاء درست کیے اور
وجعل لکم السمع والابصار و	اس میں اپنی روح پھونکی اور تم کو کان
الافئدۃ ،	آنکھیں اور دل دیئے،

ڈارون کے نظریہ کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ انسان متعدد مقامات پر بیک وقت یا یکے بعد دیگرے از خود وجود میں آگیا، کیونکہ اس کے ارتقاء پر سوائے ماحول اور موسم کے کسی کا کنٹرول نہیں ہے، بس ایک تو جو خلیہ پانی سے چل نکلا، وہ شتر بے مہار کی طرح چلتا ہی گیا، اور جہاں تک اس کو موافق زمین مل گئی وہ ماحول کے مطابق بغیر تعین وقت اپنی تکمیل کرتا گیا، اور اسی طرح کرۂ زمین پر کئی انسان پیدا ہو گئے، ایسا ہرگز نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ کی تخلیق بغیر کنٹرول کے وجود میں نہیں آئی،

ایک بات یہاں اور ذہن نشین کر لینی چاہئے، وہ یہ کہ تخلیق انسانی کے وقت اللہ تعالیٰ نے صرف مرد ہی کو پیدا نہیں کیا تھا، بلکہ عورت کی تخلیق بھی ساتھ ہی کر دی تھی، اور یہ سلسلۂ طین ساتھ ساتھ بڑھی تھی، جہاں سے دونوں کی تخلیق ہوئی، اور چونکہ اس پانی پر خلیے میں مؤنث اور مذکر دونوں کی خاصیت کا قوام موجود تھا، اس لئے ان دونوں کی بیک وقت اور ساتھ ساتھ تخلیق اور بھی موزوں تھی،

ہمارے نزدیک خلق منہا زوجہا کے یہی معنی ہیں، نہ کہ وہ جن کا استنباط مفسرین اور دوسرے لکھنے والوں نے کتاب پیدائش سے کیا ہے کہ پہلی عورت کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا، پسلی سے یہاں مراد لفظ

زیب کی چیز ہے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں، البتہ عورت کی خصلت کی طرف اس میں اشارہ پایا جاتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک قرین قیاس یہی بات ہے کہ جو ہم نے لکھی کہ عورت اور مرد کی تخلیق ساتھ ساتھ سڑے ہوئے گارے سے کی گئی،

اس موقع پر پہنچ کر انسان کی تخلیق مکمل ہو گئی، اور اس کو آزاد چھوڑ دیا گیا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ کی زمین پر کھاؤ پیو، اور سیر کرو، اور اس کا شکریہ ادا کرو، یہ انسان وحشی اور غیر متمدن تھا، اس میں رشتۂ زوجیت کا تعین بھی نہ ہوا تھا، جیسے ہم (Caveman) کے جدید لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس وقت نہ حامل وحی تھا، اور نہ اس پر کوئی شریعت نازل ہوئی تھی، اب ہم اسے یہاں چھوڑ کر تخلیق ثانیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں،

تخلیق ثانیہ[1] اس بحث سے پہلے ہم ایک اور اہم بات کی طرف توجہ مبذول کرا دینا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ اگر ڈارون کے نظریہ کے مطابق انسان بتدریج ارتقاء کے منازل طے کر کے بندروں سے بنا ہے تو ہم اسے کسی طرح بھی اشرف المخلوقات نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ارتقاء کے دوران میں ان دونوں کا درجہ ایک تھا، بلکہ انسان بجنسہ اسی طرح بنایا گیا، جیسا کہ وہ آج ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کے وقت ہی اس کی تکمیل کر کے اس کو احسن التقویم میں بنایا تھا، اگر انسان کی تکمیل بندروں کے توسط سے ہوئی ہوتی تو پھر اس وقت انسان کو احسن تقویم کہنے کا کیا مطلب تھا؟

اب اس انسانی جوڑے سے جسے اللہ تعالیٰ نے بنایا تھا، انسان کی تخلیق ثانی شروع اور دنیا میں ان کی آبادی بڑھنا شروع ہوتی ہے، اور اسی سلسلے سے انسان ترقی کی راہوں پر گامزن ہوتا ہے، یہ نسل

---

[1] اس مرتبہ کے بعد بھی انسان کا تخلیقی ارتقاء ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے بعد ایک تخلیق آخر دنیوی کا آخری مرتبہ ہے جو حیات بعد الموت کے مترادف ہے، یہ موضوع اس وقت ہمارے مقالے کی حدود سے خارج ہے، اس لئے اس پر کچھ لکھنے سے اجتناب کرتے ہیں،

کس طرح بڑھتی ہے، ذرا غور فرمایئے،

ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا
العلقة مضغة فخلقنا المضغة
عظما فكسونا العظام لحما ثم
انشأنه خلقا اخر

پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا، پھر
ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی
بوٹی بنا دیا، پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض
اجزاء کو ہڈی بنا دیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں
پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اس میں روح
ڈال کر ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا،

اللہ تعالیٰ نے یہاں نطفے کے وہ تمام مدارج بیان کر دیئے ہیں، جو قرار پا جانے کے بعد وقوع پذیر ہوتے ہیں، اس مقام پر پہنچ کر ڈارون نے ٹھوکر کھائی ہے! اُس نے نظریۂ تخلیق پر اسی وجہ سے زور دیا، بہت ممکن ہے یہ استنباط اسی سے کیا ہو، مگر افسوس کہ وہ اس کے صحیح معنی نہ سمجھ سکا، یہ آیت کریمہ تخلیقِ ثانی سے متعلق ہے نہ کہ تخلیقِ اولیٰ سے جیسا کہ اُس نے سمجھا، اس آیت کریمہ میں نطفے کی حالت کے جو مدارج بیان کئے گئے ہیں، ہم انہیں مولانا ابوالکلام کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں، یہ چھ ہیں:-

(ا) نطفہ کی حالت جب کہ وہ قرارِ مکین میں ہوتا ہے، یہ استقرار حمل کا عمل ہے، (ب) علقہ کی حالت (ج) المضغہ کی حالت (د) خلقنا المضغة عظاما کی حالت (ہ) کسونا العظام لحما،

اور (و) ایک ایسی آخری حالت ہے جسے خلقا آخر سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا تمام قویٰ کی تکمیل ہو گئی،
مزید تفصیل اس آیت کی یہاں مناسب نہیں، مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن جلد دوم کے [illegible] میں سے تفصیل درج کر دیا ہے، یہ ایک علمی (Scientific) بحث ہے، اصل مقصد سے منکر یہ بحث (Technical) بن جائے گی، جن حضرات کو شوق ہو، علم الجنین (Embryology)

کی کسی کتاب کا مطالعہ کریں، یہاں صرف اس قدر بتا دینا ضروری ہے کہ آزاد نے نظریۂ تخلیق کی طرف توجہ نہیں کی، اور اس کا ہم نے ذکر کر دیا ہے،

ہمیں اس آیت کریمہ سے پہلے اس موضوع سے متعلق دراصل ایک اور مختصر سی آیت کا ذکر دینا بھی چاہیے تھا، جو اس آیت کی تمہید کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے،

"ثم جعلناه نطفة في قرار مكين"[1]

جس وقت یہ نطفہ اپنی مقررہ جگہ پر قرار پا جاتا ہے، تو پھر اس کا مزید نشو و نما شروع ہو جاتا ہے، یہ نطفہ اس حالت میں قرار پا سکتا ہے، جب کہ دونوں صنف موجود ہوں، اس کے بغیر تخلیق ثانی کا تخیل بھی نہیں کیا جا سکتا، جو اس آیت سے بھی صاف واضح ہے، اب یہاں یہ ایک سوال جواب طلب رہ گیا ہے کہ یہ جو چھ مراتب تطور اللہ تعالیٰ نے متعین کر کے گنوائے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

اس کا مطلب یقیناً وہ نہیں ہے جو ڈارون نے لیا ہے، یہ مراتب تطور صرف نطفہ کے قرار پا جانے کے بعد سے لے کر بچہ کی پیدائش تک کی حالتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں چونکہ جامعیت ہے، اور وہ ہر علم پر حاوی ہے، اس لئے اُس نے ہماری سہولت کے لئے علم الجنین کی بنیادی اصولوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسا اس نے اس لئے نہیں کیا ہے کہ ہمیں اس طرف متوجہ کرے کہ ہمارے آباؤ اجداد ان مدارج کے توسط سے انسانی شکل میں نمودار ہوئے، نہ زیادہ سے زیادہ ان مراتب سے یہ

---

[1] مندرجۂ ذیل آیات قرآنی بھی اس تخلیق ثانیہ سے متعلق ہیں، بعض لکھنے والوں نے انہیں تخلیق اولیٰ سے متعلق تصور کر لیا ہے،

(ا) ما لكم لا ترجون لله وقارا ه وقد خلقكم اطوارا ه

(ب) لتركبن طبقا عن طبق اور

(ج) وهو الذي انشاكم من نفس واحدة فمستقر ومستودع ط

امتزاج کیا جا سکتا ہے کہ پانی کا عنصر جو تخلیق انسانی مین شامل ہے، اس سے یہ چیزین بھی بن سکتی ہین یا
اُن کے بننے کا امکان ہے، مثلاً جونک، مچھلی، اور مینڈک وغیرہ! یہ ضرور ہے کہ ڈارون نے اپنی تحقیق
کے دوران مین علقہ کی یہ مختلف حالتین دیکھی ہونگی جنھین ہم آج کل دیکھ سکتے ہین، مین نے خود جب ان تمام
حالتون کا پہلی مرتبہ معائنہ کیا تو قرآن کریم کی متذکرہ بالا آیت دماغ مین گھوم گئی، لیکن ڈارون اس مشاہدہ
کو دوسری طرف لے کر نکل گیا، اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایک نظریہ بنا چکا تھا، اور اس کو تقویت
دینے کی فکر مین تھا، اس نے ادھر ادھر سے متعلقہ باتین جمع کر کے اپنے نظریہ کو تقویت دی، اور دو
ان مراتب سے یہی سمجھا کہ بچہ اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر چل رہا ہے، اور پیدا ہونے سے پیشتر وہ ان
تمام حالتون سے ہو کر گذریگا، حالانکہ ایسا نہین ہوا،

ہماری ناقص رائے مین زندگی کے اس اولین جزء مین جسے اللہ تعالیٰ نے پانی سے تخلیق کیا چند
در چند ایسی خصوصیات مضمر کر دی تھین کہ وہ ہر جاندار کے رحم کے اندر اس کی نشو و نما کے وقت تک
رہین، اور اس کے تکمیل پانے تک ان تمام تخلیقات کا مظاہرہ کرین جس کی قوتین اللہ تعالیٰ نے اس کے
اندر ودیعت کر دی ہین،

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہین، یہ نظریہ تطبیق کچھ ڈارون ہی کے ساتھ مخصوص نہین ہے، بلکہ ایک
دوسرے رنگ مین یہ سقراط اور افلاطون وغیرہ حکماء کے ہان بھی ملتا ہے، مگر یہ حکماء اس کو پیدائش کے
بعد کے مراتب سے تطبیق دیتے ہین، یعنی انسان کا بچہ پیدائش کے بعد جب عہد طفولیت سے
لے کر عہد بلوغت تک پہنچتا ہے، تو وہ شکل و شباہت، مزاج اور اطوار مین اپنے باپ دادا کے
نقش قدم پر چلتا ہے، مثلاً ایک خاص عمر مین اس کی شکل اپنے کسی خاص رشتہ دار سے مشابہت رکھتی
ہے، اور دوسرے وقت مین کسی دوسرے سے اور ایک خاص عمر مین پہنچکر اپنے والدین کے ہم شکل
ہو جاتا ہے، اُس کی آواز تک اپنے ماں باپ سے ملتی جاتی ہے، اس کی نشست و برخاست اور

اس کی دیگر عادات بالکل وہی ہو جاتی ہین، جو اس کے والدین کی ہین، ہماری نگاہ مین اصل نظریہ
یہی ہے! جو چیز ڈارون نے پیش کی ہے، وہ غلط ہے، اور اُسے سہو ہوا ہے،

اس کے بعد جو مقام تخلیق انسانی کے ضمن مین اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ	پھر اس کی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک
مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۵	بے قدر پانی سے بنا دیا

یہان سے نسل انسانی چل پڑتی ہے، اور اس کے بعد وہی عمل شروع ہوتا ہے، جو اوپر بیان
ہو چکا ہے، ابھی تک ہم انسان ہی کے گرد گھومتے رہتے تھے، اب ہم بشر اور آدم کی حدود مین داخل
ہوتے ہین،

بشر

انسان کی تخلیق کے بعد جب اس کی نسل چل پڑتی ہے، تو دنیا مین اس کی آبادی بڑھنا شروع
ہو جاتی ہے، یہ نسل انسانی غیر متمدن، غیر مہذب، اور وحشی قسم کا ایک انبوہ ہوتا ہے، جس مین اخلاقی قوتین
ناپید ہوتے ہین، ان مین رشتہ زوجیت بھی موجود نہین ہوتا، آداب نشست برخاست سے بھی عاری
ہوتے ہین، یہ انسان دنیا مین فساد مچاتا پھرتا ہے، شکار کرتا ہے، اور کچا کھا جاتا ہے، اُس نے ابھی آگ
جلانا نہین سیکھا ہے، لباس سے ستر پوشی نہین آئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا بھی حامل نہین ہوا ہے، در
اس نسل انسانی مین سوائے شر کے اور کچھ نہین ہے، فرشتے اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق کو دیکھ کر متعجب اور دم بخود
ہوتے ہین، وہ اس مین شر کے عنصر کو دیکھ کر ضرور گھبراتے ہون گے، اور کہتے ہونگے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی
حمد و ثنا مین مصروف رہتے ہین، یہ اُس نے کیسا انسان بنا دیا، جو شر و فساد ہی برپا کرتا پھرتا ہے، اگر
انھون نے اس کی تخلیق دیکھی تھی، تو وہ یہ سمجھتے کہ یہ مٹی ہی کی تاثیر ہے، جو یہ مائل بہ شر ہے، یہ مائل
بہ شر ہی در حقیقت "بشر"[1] تھا، اس وحشی قوم مین سے اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو منتخب کیا، جو اس کا

---

[1] یہان یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بشر کوئی اور مخلوق تھی ایسا نہین ہے، بلکہ بشر انسان ہی کی ایک اجتماعی حالت تھی، ایسی حالت

لیڈر یا خلیفہ تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے علوم (نام، اسماء) سکھائے، اور فرشتون مین اعلان کیا کہ مین ایک خلیفہ زمین پر بنانے والا ہون،

آدم إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً،	مین بنانے والا ہون روئے زمین پر ایک خلیفہ،

اللہ تعالیٰ کو اس غیر متمدن اور غیر مہذب انسانی گروہ کی تنظیم کرنا مقصود تھی، وہ چاہتا تھا کہ ان مین ایک لیڈر منتخب کرے، جس کے ذریعہ وہ اس نسل کو گاہے گاہے اپنی ہدایات دیتا رہے تاکہ وہ اس ہدایت کے مطابق شائستہ زندگی بسر کرسکین، وہ چاہتا تھا کہ ان مین رشتہ زوجیت پیدا کرکے ان کی اخلاقی زندگی مین ضبط قائم کرے، اور اس کی آیندہ نسلون کو بتدریج اٹھا کر ایسے بلند مقام پر پہنچا دے کہ پھر وہ سوائے اس کے اور کسی کی پرستش نہ کرے، اپنے اس ارادہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتون پر ظاہر کیا، فرشتے اس بشر کو دیکھ چکے تھے، اس انسانی تخلیق سے واقف تھے، اس کی خصلت سے آشنا تھے، اس کی فطرت مین جو شر تھا، اس کا مشاہدہ کرچکے تھے، اس لئے فوراً بول اٹھے،

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَ	کیا تو اس مین (زمین) ایسے کو خلیفہ بنائیگا
يَسْفِكُ الدِّمَآءَ،	جو اس مین فساد پھیلائے گا، اور خونریزی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۵) اس وقت وقوع پذیر ہوئی، جب پہلے مرد اور پہلی عورت سے ان کی نسل چل نکلی، اس آیت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، کہ بشر انسان ہی تھا:

"وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا"

گویا پہلا آدمی جو اللہ تعالیٰ نے بنایا، وہ انسان تھا، انسان کی نسل جب پہلے جوڑے سے بڑھی گئی تو وہ تمام بشر تھے، کیونکہ ان مین شر کا عنصر غالب تھا، آدم سے اگر وحی منفی کردیجائے، تو بشر رہ جاتا ہے، لیکن آدم کے تقرر کے بعد بھی وہ بشر ہی رہتا ہے، اس کی حیثیت بدلتی نہین کیونکہ اسکی سرشت مین شر موجود رہا

اس اعتراض کا سبب یہ نہ تھا کہ فرشتے غیب کے علم سے واقف تھے، جیسا کہ تمام طور پر مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ انسان تو موجود ہی تھا، فرشتے اسے دیکھتے تھے، بعینہ جس طرح ہمین آج کل دیکھتے ہون گے اور ہماری کرتوتون پر اشک بہاتے ہون گے، پھر انھین اس کے اظہار مین کوئی اشکال یا تردد کیون ہوتا؟ مگر اللہ تعالیٰ نے انھین صرف یہ کہکر خاموش کردیا!

إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ،	مین وہ جانتا ہون جو تم نہین جانتے،

یہ منتخب شدہ انسان یا بشر، آدم تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ایک شریعت بھیجی، اس طرح یہ پہلا انسان تھا جو شریعت کا حامل ہوا، اس کا اولین کام اس دنیا مین ضبط و نظم پیدا کرکے عبادتِ الٰہی کا قیام تھا، گویا آدمؑ سلسلۂ انسانی مین پہلے فرد تھے، جن کو نبوت اور شریعت سے سرفراز کیا گیا، اور انھون نے تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالی، ان کو متمدن کرنے کے لئے جو احکام اللہ تعالیٰ نے دیئے ہون گے وہ پیچیدہ نہ ہون گے، بلکہ نہایت سادہ ہون گے، اُن کی ضروریات بھی اس وقت بہت قلیل رہی ہون گی، مثلاً کچھ اس قسم کے رہے ہون گے کہ مل جل کر رہو، اور تمھارا ایک افسر ہوگا اس کی اطاعت کرو، یہی تمھارے معمولی جھگڑون کا فیصلہ کیا کرے گا، یہین سے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی شروع ہوتی ہے، اور عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ کا جو پہلا گھر بنوایا، وہ آدم علیہ السلام ہی کے ہاتھ سے تھا،

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا،

اب ہم شیخ اکبر کے نظریہ "خلق اللہ مائتی الف آدم" کی تردید کرتے ہین، ہمارے دلائل کا انحصار اسی آیت کریمہ پر ہے، جو تعجب ہے کہ شیخ اکبر کی نگاہون سے کس طرح اوجھل ہوگئی، اس آیت سے دو باتین ہم پر واضح ہوجاتی ہین، اوّل یہ کہ سب سے پہلا گھر عبادت کا جو بنا وہ مکہ معظمہ ہی تھا، شیخ اکبر کے قول کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ نے دو لاکھ آدم پیدا کئے ہوتے تو ضروری تھا کہ عبادت کے گھر

بھی دو لاکھ ہی ہوتے، کیونکہ یہ نظریہ ڈارون کے نظریہ سے بہت ملتا جلتا ہوا ہے، جس کے مطابق انسان
مختلف مقامات پر خود بخود ارتقائی منازل طے کرتا ہوا وجود مین آگیا اور اس کی تعداد ایک نہ تھی بلکہ ایک
سے زیادہ تھی، جو تقریباً شیخ اکبر کے قول کے مطابق ہے، اس نظریہ کے مطابق یہ ضروری ہے کہ یہ آدم
کرۂ ارضی کے مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے ہوتے اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ عبادت خانہ بھی
ضروری تھا، جو واقعہ کے خلاف ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ صرف ایک ہی بنوایا کیونکہ آدم بھی ایک ہی تھا
اس لئے شیخ اکبر کا یہ نظریہ بھی غلط ہے،

دوسری بات جو نظر آتی ہے، وہ بھی نہایت ہی غور طلب ہے اور اس سے کئی بڑے نظریئے متزلزل
ہو جاتے ہین، وہ یہ ہے کہ اس اولین بیت اللہ کے قرب و جوار مین ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق
کی ہوگی، اور اسی کے گرد و نواح مین اس کی آبادی بڑھی ہوگی، اور وہ یہین پر مسکن اختیار کئے ہوئے
ہو نگا، کیونکہ اگر وہ دنیا مین دور دراز پھیلا ہوا ہوتا، تو پھر اس جگہ کو منتخب کرنے مین کیا مصلحت تھی
کیونکہ اس وقت کے ذرائع آمد و رفت بڑے کٹھن رہے ہون گے، تاریخ اقوام لکھنے والے اس اہم پہلو
کو نظر انداز کر گئے ہین، اور مختلف اقوام کے جو نظریئے وہ پیش کرتے ہین، وہ اس ایک آیت کی زد
مین آکر طشت از بام ہو جاتے ہین،

میکس مولر (Maxe muller) کے اس نظریۂ اقوام نے اور بھی الجھن پیدا کر دی
ہے، اور اس کا نظریہ متعلقہ آرین اور غیر آرین اقوام بڑا مہلک ثابت ہوا ہے، ہماری رائے مین
نسل انسانی صرف اسی ایک خطہ سے منسوب تھی، اور دنیا مین اور کہین آبادی نہ تھی، یہین سے دو
مختلف اطراف مین پھیلی، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کے لئے اسی مقام کو منتخب کیا، جو کرۂ ارضی کا وسط
تھا، اور دنیا کی ناف کے مترادف تھا، یہان سے مختلف اطراف و ممالک مین نقل و حرکت بہ آسانی
ہو سکتی تھی، یہان کا موسم اول اول نہایت خوشگوار رہا ہوگا، یہ جگہ سرسبز اور شاداب رہتی ہوگی،

موسمون کا رد و بدل ہوتا ہی رہتا ہے، جو علاقے آج ہم بنجر دیکھتے ہین، وہ کسی زمانہ مین سرسبز اور
شاداب تھے، یہ بات تاریخ سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب جزیرۃ العرب اور صحرائے اعظم سرسبز تھے
اس وقت یورپ برف کے نیچے دبا ہوا تھا، اور جب یہ دونون صحرا برف کے نیچے تھے تو یورپ ریگستان
تھا، علمی اصطلاح مین اس کو (Rotation of climates.) کہا جاتا ہے، اس
پر تعجب ہونے کی کوئی وجہ نہین، ہمارا قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ کرۂ ارض پر سب سے زیادہ پرانا سرسبز و شاداب
علاقہ یہی مکہ معظمہ کا قرب و جوار تھا، جہان تخلیق انسانی ہوئی، اور جہان سے اس کی نسل بڑھی، اور وہ
آدم کے تقرر تک یہین قیام کئے ہوئے تھی، اس مقام مقدس کو بہت سی باتون مین اولیت کا
درجہ حاصل ہے، مثلاً اول انسان یہین بنایا گیا، آدم کا انتخاب یہین پر ہوا، پہلا عبادت خانہ
اسی جگہ تجویز ہوا، سب سے پہلی وحی جو حضرت آدم علیہ السلام پر اتری، وہ یہین اتری،
اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہین پیدا ہوئے، اسی طرح وحی کا آغاز بھی
یہین سے ہوا، اور اس کا ارتقاء بھی یہین ختم ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنا دین مکمل کر دیا، جس کے
بعد کسی وحی کی ضرورت باقی نہین رہ گئی، اس لئے اگر یہ مقام کرۂ ارضی کا وسط نہ ہوتا تو اور
کون مقام ہوتا، ؟ اگر انسان کی تخلیق یہان نہ ہوتی، تو اور کہان ہوتی، یہین سے اقوام کا پھیلاؤ
ہر طرف یکسان ہو سکتا تھا، اور خیالات بآسانی منتشر ہو سکتے تھے، بعد مین موسمون کی تبدیلی اور

۱؎ انسان کی آخری منزل ترقی سے نبی کی پہلی منزل شروع ہوتی ہے، ۲؎ حضرت آدم علیہ
السلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تاریخی اور نجومی اعتبار سے چند ہزار
سال کا فاصلہ ہوتا ہے جو برابر ہوتے ہین چھ ایام ربی کے، اور منجملہ دوسرے مطالب کے ایک مطلب اس آیت
کا بھی ہے،

ھو الذی خلق السموات والارض ستة ایام،

آبادی مین اضافہ کی وجہ سے لوگ مختلف اطراف مین پھیل گئے، جہان وہ ہزارہا سال کی، پیچ کے بعد گروہون مین بٹ گئے، موسمون نے اُن کے رنگ اور روپ پر اثر کیا، ان کی عادات بدل گیئن، اور وہ مختلف قبائل نظر آنے لگے، ورنہ درحقیقت وہ سب اسی آدم کی اولاد تھے جس کو اللہ تعالی نے اس نسلِ انسانی سے منتخب کر کے اوّلین پیغمبر بنایا،

فتبارک اللہ احسن الخالقین،

سیرۃ النبی تقطیع کلان و تقطیع خورد اور سیر الصحابہ کے سٹون

مین کافی رعایت

گذشتہ سال سیرۃ النبی تقطیع کلان (جلد سوم تا ششم) جو غیر معمولی رعایت کی گئی تھی، وہ اس سال ۵۲ء مین بھی قائم رکھی گئی ہے، اور سیرۃ النبی تقطیع خورد اور سیر الصحابہ کے سٹون مین بھی رعایتین دیجاتی ہین، جن کی تفصیل درج ذیل ہے،

نام کتاب	اصل قیمت	رعایتی قیمت
سیرۃ النبی تقطیع کلان جلد سوم تا ششم	للعـ۳۲	عـ۲۲
" خورد مکمل ۷ جلدین	لعـللعـ	للعـ
سیر الصحابہ مکمل ۱۰ سٹ	للعـ	للعـ

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

جنایات بوجہ غفلت

چھٹا باب جنایات کا ارتکاب مشترکہ طور سے

دسوین فصل

آقا کی ذمہ داری اس مضرت کی بابت جو ملازمین کو پہنچے

از ڈاکٹر محمد غوث صاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی، حیدرآباد دکن

(۲)

انگلستان کے قانون کی رو سے یہ امر قرار دیا گیا ہے کہ جب ایک ہی آقا کے متعدد ملازم ہون اور ایک ملازم دوسرے ملازم کو اپنی غفلت سے مضرت پہنچائے تو آقا ذمہ دار نہ ہوگا، بشرطیکہ دونون ایک ہی کام پر مامور ہون، اور مضرت اس کام کی انجام دہی مین پہونچے؛[1]

اس قاعدہ کا مبنی قانون انگلستان کا یہ قاعدہ اس اصول پر مبنی ہے کہ جب متعدد آدمی ایک ہی نوعیت کی ملازمت کا معاہدہ کرین تو وہ اس مضرت کے برداشت کرنے پر رضامند ہو جاتے ہین جو اس کام کی انجام دہی مین معمولاً پہنچ سکتی ہے،[2]

سرجان سامنڈ نے تصریح کی ہے کہ اس قسم کے مواقع پر کوئی شخص اس مضرت کی شکایت نہین کرسکتا جس پر وہ رضامند ہوا ہو، *Volenti non fit injuria* کے قاعدہ

---

[1] انڈرہل قانون ٹارٹ ترجمہ بھیا تھہ ص ۱۶۵ [2] ص ۵۲ ایضاً

کلیہ کو اس صورت مین بطور قیاس قانونی استعمال کیا جاتا ہے[1]

واضح رہو کہ اس قاعدہ مین ذمہ داری مستاجران[2] (۱۸۸۰ء) کی رو سے بہت کچھ ترمیم ہو چکی ہو لیکن یہ قانون تمام پیشون یا تمام قسم کے حوادث سے متعلق نہین ہو، اس لئے جو اصول اوپر بیان کیا گیا، اس پر اب بھی عمل ہوتا ہے،

دو شرطین | یہ قاعدہ دو شرطون کے تابع ہے، ایک یہ کہ ملازمون کا آقا ایک ہی ہو، دوسرے یہ کہ ملازمت مشترک ہو،[3]

پہلی شرط کی توضیح | پہلی شرط کے سلسلہ مین یہ واضح رہنا چاہئے کہ ملازمون کا صرف باہم مل کر کام انجام دینا کافی نہین ہے جو کام ملازمون کو انجام دینا ہے، اس پر ایک ہی آقا کا ان ملازمون کو مامور کرنا بھی ضروری ہے، اگر ان ملازمون مین سے ایک ملازم بالادست ہو، اور دوسرا ماتحت تو بھی دونون ایک ہی آقا کے ملازم متصور ہون گے، مثلاً کسی جہاز کا کپتان ملاحون کے ساتھ ایک ہی آقا کا ملازم ہے،

ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے منشا سے یا کسی ملازم کی خواہش پر رضا کارانہ طور پر، عارضی طور سے اپنے آپ کو بلا معاوضہ ملازمون کی اعانت کے لئے پیش کرے، تو اس صورت مین بھی یہ شخص مشترک ملازمون کے زمرہ مین شامل ہو جائے گا، لیکن اگر یہ شخص بلا معاوضہ مدد دینے کے سلسلہ مین خود اپنا کوئی ذاتی کام انجام دے رہا ہو، تو اس صورت مین اس کو مضرت پہنچے، تو آقا ذمہ دار ہو گا،[4]

دوسری شرط کی توضیح | دوسری شرط کے بارے مین یہ امر مخفی نہ ہے کہ مشترک ملازمت کا یہ مطلب

[1] لا آف ٹارٹس ص ۱۲۶ [2] ۱۹۲۶ء [3] The Employer's Liability Act 1880

[4] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۲۶ [5] ایضاً ص ۱۲۸، ۱۹۲۸ء

نہین ہے کہ ملازمون کے کام کی نوعیت بھی ایک ہی ہو، بلکہ اس کے لئے یہ کافی ہے کہ ایک ملازم کے فرائض میں جو خطرہ ہو وہ دوسرے ملازم کے فرائض کا بھی قدرتی اور لازمی نتیجہ ہو اور اسکی ملازمت کے فرائض کے ضمن مین پہنچنا متصور ہو سکتا ہو،[1]

مثال: دو ملازم ایک ہی مقام پر کوئی وزنی چیز اٹھا رہے ہون، جس سے ایک ملازم کو کوئی مضرت پہنچ جائے تو اس کے لئے آقا ذمہ دار نہ ہو گا،[2]

اگر ملازمین ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ کام انجام دے رہے ہون، اس وقت بھی مشترک ملازمت کی صورت پیدا ہو سکتی ہے،

مثلاً کسی ڈینامیٹ بنانے کے کارخانہ مین کوئی شخص محاسب ہو اور وہ کسی دوسرے ملازم کی غفلت سے جو ڈینامیٹ بنا رہا ہو، وقوع مین آئے ہوئے دھماکے سے فوت ہو جائے، تو مالک کارخانہ کسی طرح ذمہ دار نہ ہو گا،

یہ بھی ہو سکتا ہو کہ ملازمت مشترک ہو لیکن ملازمین مختلف اوقات مین مختلف مقامات پر اپنے کام مین اس طرح مشغول ہون کہ ایک ملازم کی سلامتی دوسرے کی احتیاط اور مہارت پر موقوف ہو مثلاً ریل کا ڈرائیور اور سگنل دینے والا مشترک ملازمت مین ہو، بلکہ ریلوے لائن کی درستی کا ذمہ دار انجینیر بھی جس کا کام یہ ہو کہ وہ مشنری اور کارخانہ کو محفوظ حالت مین رکھے، مشترک ملازمت مین ہین اس طرح وہ شخص بھی جو ریل گاڑی چلاتا ہو، اور یہ جانتا ہو کہ اس کی جان ان سب لوگون کی احتیاط در مہارت کے تابع ہے،[3]

جو ملاح ایک ہی آقا کے ملازم ہون لیکن دو علیحدہ جہازون پر کام کر رہے ہون، مشترک ملازمت مین نہین ہین،[4]

اس سلسلہ مین ایک اور قاعدہ یہ ہے کہ ملازم سے حادثہ کا وقوع ملازمت مشترک مین ہونا چاہئے،

[1] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۲۹ [2] ۱۹۳۶ء [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً ص ۱۳،

مثلاً کسی بس کے کنڈکٹر کو جب کہ وہ اپنا کام کر رہا ہو، ڈرائیور کی غفلت سے کوئی مضرت پہنچے تو آقا ذمہ دار نہ ہوگا، لیکن اگر کنڈکٹر آقا کی عطا کردہ چھٹی سے استفادہ کر رہا ہو، اور اس کے راستے سے گزرتے وقت بس کے ڈرائیور سے غفلت کی بنا پر مضرت پہونچے تو اس وقت آقا ذمہ دار ہوگا،[۵۱]

اسلامی اصول و قواعد

یہ تو انگلستان کے قانون کے اصول و قواعد ہین، اسلامی فقہاء کے مسلک کے بارے مین علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے چند اجیر اپنے علاقہ کی کسی دیوار گرانے پر مامور کئے، اجیرون کے کام کے دوران مین کام ہی کی وجہ سے ایک اجیر یا کوئی اور شخص فوت ہوگیا، تو اس کی ذمہ داری باقی اجیرون پر عائد ہوگی، صاحب خانہ ذمہ دار نہ ہوگا،

اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اجیر اتلاف مین شریک تھے، اور ان کے کام کے دوران مین کام کی وجہ سے متوفی پر دیوار سے کوئی شے گر پڑی، اور وہ فوت ہوگیا،[۵۲]

علامہ سرخسی نے ایک دوسرے مقام پر اس مسئلہ کی مزید وضاحت یہ کی ہے کہ ایک شخص نے چار آدمی بطور اجیر مقرر کئے، اور ان کو باؤلی کھودنے پر مامور کیا، ان اجیرون کے کام کے اثناء مین کام کی وجہ سے ان پر مٹی گری جس سے ایک اجیر فوت ہوگیا، اس صورت مین جو تین اجیر سلامت رہ گئے ہین، ان پر ذمہ داری عائد ہوگی، اسی طرح یہ تینون اس صورت مین بھی ذمہ دار ہون گے جب وہ متوفی کے مددگار رہے ہون، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان پر جو مٹی گری وہ سب کے باہمی کام سے گری، اس لئے سب مباشر اتلاف قرار پائین گے،[۵۳]

ان بیانون کی تحلیل

ان دونون بیانات سے واضح ہوتا ہے،

۱- ایک ہی آقا کے متعدد ملازم تھے،

۲- سب ایک ہی کام پر مامور تھے،

[۵۱] سالمنڈ آن ٹارٹس ص ۱۳۰، ۱۹۴۵ء [۵۲] المبسوط ص ۱۸ جلد ۲۷ [۵۳] ایضاً ص ۱۶ جلد ۲۷،

۳- مضرت اسی کام کے دوران مین پہونچی،

۴- مضرت جو پہنچی اس کے لئے آقا ذمہ دار قرار دیا گیا،

۵- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باہم کام کرنے والے بلا معاوضہ اعوان ہون اجیر نہ ہون،

غرض اس مسئلہ مین اسلامی فقہ بھی انگلستان کے قانون کے مطابق ہے، البتہ انگلستانی ارباب قانون نے اس اصول کو مدار قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اس مضرت کی شکایت نہین کر سکتا جس پر وہ خود رضامند ہوا ہو، لیکن اسلامی فقہاء نے یہ قرار دیا ہے کہ ضرر یاب شخص خود بھی وہی کام انجام دے رہا تھا جو دوسرے انجام دے رہے تھے، گویا وہ خود بھی مباشر تھا، اس طرح دونون اصولون کا مآل ایک ہی ہے،

گیارھوین فصل کا خلاصہ

آقا کی ذاتی غفلت

آقا سے جو غفلت صادر ہو وہ امور ذیل پر مشتمل ہو سکتی ہے،

(۱) ملازم کو یہ جان کر ملازمت مین رکھنا کہ وہ نا قابل ہے یا کسی شخص کو اس امر کی تحقیقات کئے بغیر ملازم رکھنا کہ وہ کام کے قابل ہے یا نہین،

(۲) ایسے ملازم کو ملازمت مین رکھنا جو عادۃً غفلت کا مرتکب ہوتا ہے،

(۳) عمارت یا آلات کو خطرناک حالت مین رہنے دینا جب کہ یہ علم ہو کہ وہ خطرناک حالت مین ہین،[۵۴]

اسلامی قانون کی رو سے ایک عام قاعدہ اس سے قبل یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جس شخص سے تعدی کا صدور ہو اس پر ذمہ داری عاید ہو جاتی ہے، یہی قاعدہ یہان بھی منطبق ہوگا، اگر کسی مستاجر سے اس کے کاروبار مین کوئی تعدی اس طرح صادر ہو کہ اس کی وجہ سے اجیر کو مضرت پہنچے تو مستاجر یا آقا لامحالہ ذمہ دار قرار پائے گا،[۵۵]

[۵۴] انڈرہل، قانون ٹارٹ ترجمہ یحییٰ ص ۱۶۶ [۵۵] مجلۃ الاحکام مادہ ۹۰۳، ص ۹۳،

ساتوان باب

اجیر مشترک کی ذمہ داری

پہلی فصل : اصولی قاعدہ

گذشتہ صفحوں مین یہ بیان ہو چکا ہے کہ کارندون کی دو قسمیں ہوتی ہین۔ ایک ملازم یا اجیر خاص دوسرے خود مختار معاہد، یا اجیر مشترک۔ ملازم کے متعلق ضروری امور پر گذشتہ باب کی فصلوں مین بحث ہو چکی ہے، اس فصل مین اجیر مشترک کے متعلق ضروری مسائل پر غور کیا جاتا ہے۔

انگلستانی قانون کا اصول

قانون انگلستان کا ایک عام اصول یہ ہے کہ آقا کسی ایسے شخص کی غفلت یا جنایت کا ذمہ دار نہیں ہے جو بطور کارندہ خود مختار معاہدہ کی حیثیت سے کوئی کام انجام دے خود مختار معاہد سے یہ مطلب ہے کہ اس پر آقا کو نگرانی یا کنٹرول کا اختیار حاصل نہ ہو، بلکہ کارندہ اپنے مفوضہ کام کو اپنے ہی اختیار تمیزی اور اپنی صواب دید سے انجام دے۔[1]

یہ عام اصول بعض مستثنیٰ صورتون کے تابع ہے، لیکن سر جان سامنڈ نے صراحت کی ہے کہ اب قانون کا رجحان یہ ہے کہ خود مختار کارندہ کی صورت مین بھی نیابتی ذمہ داری کے اصول کو وسعت دی جائے یا دوسرے الفاظ مین خود مختار کارندہ کو مامور کرنے والے شخص پر بھی خود مختار کارندہ کے افعال کی ذمہ داری عائد کی جائے۔ اس لحاظ سے متذکرۂ صدر اصول کی حقیقی وسعت اور اسکی تحدید کو اعتماد کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہے۔[2]

اسلامی قانون کے احکام

ظاہر ہے کہ کسی خود مختار کارندہ یا فقہ اسلامیہ کی اصطلاح مین اجیر مشترک سے کوئی جنایت یا غفلت صادر ہو، تو اس سے یا خود مستاجر کو مضرت پہنچیگی یا اس کے مال کو یا کسی تیسرے

[1] کلرک اور لنڈسل، لا آف ٹارٹس ص ۱۰۰، ۱۹۳۲ء، سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۳۵، ۱۹۲۵ء،

شخص کو اور ہو سکتا ہے، کہ تیسرے شخص کو مضرت پہونچنے کی صورت مین یہ مضرت اس کی ذات کو برداشت کرنی پڑے گی، یا اس کے مال کو،

اگر مستاجر کی ذات یا اس کے مال کو مضرت اٹھانی پڑے، تو اس کے متعلقہ مسائل اس بحث کا موضوع نہین ہین لیکن اگر مضرت کسی تیسرے شخص کی ذات یا اس کی جائداد کو پہنچے تو دیکھنا یہ ہے کہ اجیر مشترک کس حد تک اس کا ذمہ دار ہوگا، اور مستاجر کس حد تک،

اجیر مشترک کی ذمہ داری

اجیر مشترک کی ذمہ داری کا تعین کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا مناسب ہے کہ اجیر مشترک کی ذمہ داری کے حدود کیا ہین، اور اس کی وسعت کیا ہے،

یہ ایک عام فقہی قاعدہ ہے کہ اجیر مشترک ہر صورت مین اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے چاہے اس کے فعل سے مستاجر کو مضرت پہونچے یا کسی تیسرے شخص کو، یا یہ مضرت اجیر کی تعدی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئی ہو، یا بلا تعدی اس کا وقوع عمل مین آیا ہو، اور خواہ یہ مضرت تیسرے شخص کی ذات کو پہونچے یا اس کے مال کو،[1]

مستاجر کی ذات کو جو مضرت پہونچے اس سے قطع نظر اس کے مال کو ضرر پہونچنے کی صورت مین صاحبین کے نزدیک مجلۃ الاحکام کے متذکرۂ صدر قول کا اطلاق کیا جائے گا، لیکن امام اعظم نے اس صورت مین اجیر مشترک پر کوئی ذمہ داری عائد نہین کی ہے،[2]

ان دونون کی دلیلون کا تفصیلی تذکرہ اور مستاجر کی ذات کو مضرت پہونچنے کی صورت مین استثنائی حکم کی صراحت اس مقام پر بے محل ہوگی، البتہ ایک بات کہہ دینا ضروری ہے کہ صاحبین نے اجیر کو اس مصلحت کی بنا پر ذمہ دار قرار دیا ہے تاکہ لوگون کے مال کی حفاظت ہو سکے، کیونکہ جب اجیرون پر ذمہ داری

[1] مجلۃ الاحکام مادہ ۱۱۰۶ ص ۹۳

[2] ہدایہ ص ۲۹۰ جلد ین آخرین،

رہے گی، تو وہ مال کی حفاظت کے لئے کوشاں رہیں گے۔[51]

بہرحال صاحب ہدایہ اور ابوبکر الحداد کی تصریح کی روشنی میں مجلۃ الاحکام کا مذکورۂ بالا قول، مستاجر کے تعلق کے اعتبار سے کسی قدر محدود ہے،

اب یہ دیکھنا ہے کہ اجیر کے کسی خلافِ قانون فعل سے کسی تیسرے شخص کو مضرت اٹھانی پڑے تو اس کے متعلق فقہاء کا کیا مسلک ہے؟

اوپر مجلۃ الاحکام کا جو قول گذرا ہے اس کی عمومیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کا اطلاق اس صورت میں بدرجۂ اتم ہونا چاہئے جب کہ اجیر مشترک سے کوئی خلافِ قانون فعل سرزد ہو، اور اس کی وجہ سے کسی تیسرے شخص کو مضرت برداشت کرنی پڑے،

دونوں نظامہائے قانون کا توافق

اس طرح اسلامی فقہاء کے مسلک اور انگلستانی قانون کے اصول میں توافق موجود ہے، لیکن مجلۃ الاحکام کے قول کی عمومیت بعض قیود و شرائط کی پابند ہے، اس کے بارے میں بعض تفصیلات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں،

اسلامی فقہ کا ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ

تضاف الفعل الی الفاعل لا الآمر مالم یکن مجبراً[52]

اس اصول کے مطابق اگر زید بکر سے کہے کہ وہ خالد کے مال کا اتلاف عمل میں لائے، اور وہ اس کی تعمیل کردے تو اس صورت میں ذمہ داری مامور (بکر) پر عائد ہوگی،

اس قاعدہ کلیہ سے ایک مستثنیٰ صورت یہ معلوم ہوئی کہ اگر مامور مجبور ہو تو اسکی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، خود آمر ذمہ دار قرار دیا جائے گا، اسی طرح اگر اجیر مشترک بھی کسی خلافِ قانون کام کے انجام دینے

[51] ابوبکر الحداد، الجوہرۃ النیرہ ص ۲۶۰، ۲۶۹ جلد اول مطبوعہ ۱۳۱۴ھ [52] مجلۃ الاحکام

کے لئے مجبور کر دیا جائے تو وہ بھی تو ذمہ دار قرار نہ پائے گا،

دونوں نظاموں میں اصول کا اختلاف

ادھر جو قاعدہ کلیہ نقل کیا گیا ہے اس کے سلسلہ میں اس امر کی جانب اشارہ مناسب ہو کہ انگلستانی قانون کی رو سے اگر خود مختار اجیر کو کسی خلاف قانون کام کی انجام دہی کے لئے کہا جائے اور وہ اس کو انجام دے تو ذمہ داری اصل شخص پر عائد ہوگی لیکن اسلامی فقہاء کا مسلک اس سے جدا ہے، ان کے نزدیک اگر مامور خواہ وہ اجیر مشترک کیوں نہ ہو کسی خلاف قانون فعل کا ارتکاب عمل میں لائے، تو آمر (اصل شخص) ذمہ دار نہ ہوگا بلکہ خود مامور کو ذمہ دار قرار دیا جائے گا، البتہ اگر مامور جبر سے مجبور ہو کر جنایت کا ارتکاب کرے تو اس صورت میں اس پر ذمہ داری باقی نہ رہے گی،

غرض دونوں نظام ہائے قانون کی رو سے اجیر مشترک کا بعض صورتوں میں ذمہ داری سے بچ جانا علٰحدہ علٰحدہ اصول کے تحت ہے، ان صورتوں پر علٰحدہ فصل میں بحث کی جائے گی،

دوسری فصل

مستثنیٰ صورتیں

پہلی فصل میں یہ بیان ہوچکا ہے کہ انگلستان کے قانون کی رو سے آقا کسی ایسے شخص کی غفلت یا جنایت کا ذمہ دار نہ ہوگا جو بطور کارندہ خود مختار معاہد لہ کی حیثیت میں کوئی کام انجام دے، لیکن اس عام اصول کی چند مستثنیٰ شکلیں بھی ہیں، ان کو اس فصل میں بیان کیا جاتا ہے:

انگلستانی قانون کی مستثنیٰ صورتیں

انگلستان کے ارباب قانون نے اس سلسلہ کی حاجب ذیل مستثنیٰ صورتیں بیان کی ہیں،

۱- اگر معاہد لہ ایسے فعل کے انجام دینے کے لئے مامور کیا گیا ہو، جو خود خلافِ قانون ہو تو مامور کنندہ اس فعل کے نتائج کا ذمہ دار ہوگا،

[53] کلارک اور لنڈسل "لا آف ٹارٹس" ص ۱۱۰ و ۱۱۶ (۱۹۲۱ء)

اگر کوئی شخص کسی جنایت کے عمل مین لانے کی ہدایت دے یا کسی جنایت کے عمل مین آنے کے بعد اس کی توثیق کرے تو قانوناً اس کی حیثیت خود فاعل کے مماثل قرار پائے گی، یہ قرار دیا جائیگا کہ خود اسی سے یہ جنایت صادر ہوئی[51]۔

مثلاً گیس سربراہ کرنے والی ایک کمپنی کو راستہ پر اپنے گیس پائپ ڈالنے کے لئے قانونی اختیارات حاصل نہین تھے، اس کمپنی نے ایک گتہ دار مقرر کیا تاکہ وہ سڑک مین نالی کھود کر گیس کے پائپ ڈالے، گتہ دار کے ملازمون نے پائپ ڈالنے کے بعد زمین مناسب طریقہ سے برابر نہین کی، جس کی وجہ سے مضرت پہنچی تو گیس کمپنی اس مضرت کی ذمہ دار ہوگی[52]،

۲۔ اگر اصل شخص پر کسی کام کو بالذات انجام دینے کی قانونی ذمہ داری ہو، اور وہ اس کو کسی خود مختار معاہد لہ کے سپرد کردے، اور اس شخص سے غفلت صادر ہو تو اصل شخص ذمہ دار ہوگا، اصل شخص کسی کارندہ کو مامور کرکے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہین ہوسکتا[53]،

اس صورت مین گویا خود اصل شخص سے غفلت کا صدور ہوا ہے، کیونکہ قانونی ذمہ داری سے ذاتی عہدہ برآ ہونے کے لئے اصل شخص پر لازم تھا کہ موزون کارندہ کا انتخاب عمل مین لاتا، اگر کارندہ اہل نہ ہو یا اس کو مناسب ہدایتین نہ دی جائین جس کی بنا پر کسی کو مضرت پہنچ جائے، تو اصل شخص ذمہ داری سے بچ نہین سکتا[54]،

مثلاً بکر کو قانوناً اس بات کی اجازت تھی کہ وہ ایک عام راستہ پر موری تعمیر کرے اور اس پر قانوناً یہ پابندی بھی تھی کہ موری تعمیر ہو جانے کے بعد راستہ اچھی طریقہ سے مسطح کرا دے، بکر نے اس کام کی انجام دہی کے لئے ایک گتہ دار مقرر کیا اس گتہ دار سے راستہ کو مناسب طریقہ سے مسطح کرنے مین غفلت

---

[51] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۳۰۵، ۱۹۲۰ء [52] امیس بنام شنفیلڈ گیس کمپنی، کلرک اینڈ لنڈسل، لا آف ٹارٹس ص ۱۰۶، ۱۹۲۱ء [53] ایضاً ص ۱۱۰ و ۱۱۲ [54] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۳۰۵، ۱۹۲۰ء،

سرزد ہوئی جس کی وجہ سے کسی کو ضرر برداشت کرنا پڑا، اس مقدمہ مین عدالت نے فیصلہ کیا کہ مدعی علیہ (بکر) ذمہ دار ہے[55]،

اگر وہ کام جس کے تکمیل کرنے کے لئے کارندہ مامور کیا جائے، ایسا ہو کہ جس کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے خود اصل شخص ذمہ دار ہو، یا یہ فرض ذمہ داری مطلق کی نوعیت کا ہو تو آزاد کارندہ کو مامور کرنے والا شخص ذمہ دار ہوگا، اس قسم کے مقدمات مین یہ جواب دہی نہین ہوسکتی کہ جنایت کا وقوع کسی خود مختار اجیر کی غفلت کی بنا پر واقع ہوا[56]،

مثلاً اگر زید کی زمین سے کوئی تباہ کن آگ ہمسایہ کی زمین پر پھیل جائے تو زید یہ جواب دہی نہین کرسکتا کہ آگ اس کے کارندون کی غفلت سے پھیلی[57]؛

۴۔ بعض افعال ایسے ہوتے ہین جن کے متعلق یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ قانون کے مغائر ہین یا یہ کہ ان کے بارے مین ذمہ داری مطلق کا وجوب ہے، اس کے باوجود اگر اس نوعیت کا کوئی کام انجام دینے کے لئے کوئی شخص کسی خود مختار اجیر کو مقرر کرے، تو قانون یہ چاہتا ہے کہ اگر اجیر سے اپنے کام کی تکمیل کے دوران مین غفلت صادر ہو تو اصل شخص نیابتی ذمہ داری کے اصول پر جوابدہ ہوگا[58]،

مثلاً زید نے بکر کو جو بطور گتہ دار مقرر ہوا تھا، یہ کام سپرد کیا کہ سڑک مین نالی کھود کر مکان کی موری کو زمین اس سے ملا دے گتہ دار نے جو نالی کھودی تھی اس کو غفلت سے درست طور سے نہین پاٹا، نتیجہ یہ ہوا کہ نالی بیٹھ گئی، اور ایک راستہ چلنے والے کو مضرت پہونچی تو اس صورت مین زید ذمہ دار ہے گو اس سے بنفسہ کسی غفلت کا ارتکاب نہین ہوا[59]،

یہ صورتین قطعی نہین ہین۔ | سرجان سامنڈ نے واضح کیا ہے کہ خود مختار اجیر کے مامور کرنے والوں کی ذمہ داری

---

[55] کلرک اور لنڈسل، لا آف ٹارٹس ص ۱۱۵، ۱۹۲۱ء [56] ایضاً ص ۱۱۰ و ص ۱۱۱ [57] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۲۶، ۱۹۲۰ء [58] و [59] ایضاً ص ۱۳۰،

مین وسعت پیدا کرنے کی جانب فی زمانہ عدالتون کا جو عام رجحان ہے، اس کی بنا پر مذکورۂ بالا چار مستثنیٰ صورتون پر کسی قطعیت کا تیقن نہین ہو سکتا، اور یہ نہین کہا جا سکتا کہ صرف یہی مستثنیٰ صورتین ہین انھون نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ خود مختار کارندون کو مقرر کرنے والون پر نیابتی ذمہ داری جو عائد کی جاتی ہے، وہ کسی دور رس اور عام اصول کی بنا پر نہین ہے، بلکہ عام سلامتی (Public Policy) کے مد نظر چند بے قاعدہ مستثنیٰ صورتین قرار دے لی گئی ہین[1]،

قانون انگلستان کے مستند مولفون کے بیانات سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس مسئلہ مین اہل الرائے کے درمیان ابھی بہت اختلاف ہے، کسی قطعی نتیجہ پر نہ تو عدالتین پہنچ سکین، اور نہ قانون دان اصحاب پہونچ سکے،

مسئلہ کی مزید صراحت

سر جان سامنڈ نے لکھا ہے کہ اس نوعیت کے مقدمات مین عدالتون مین جو فیصلے صادر ہوتے ہین، اُن کی عمومیت کا اطلاق خود مقدمہ کے ہی واقعات پر کرنا چاہیے، ان فیصلون کے عام اسلوب بیان کو ذمہ داری قائم کرنے کے کسی عام اصول کی سند نہین قرار دے لینا چاہیے، عام طور سے اس رائے کا اظہار کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص جس پر قانوناً کوئی ذمہ داری عائد ہو، اپنی ذمہ داری کا انصرام کسی خود مختار کارندہ کے سپرد کر کے ذمہ داری سے عہدہ برآ نہین ہو سکتا،

اس رائے کی نسبت سر جان سامنڈ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر کسی شخص کی ذمہ داری محض یہ ہے کہ کسی کام کو انجام دینے مین ضروری احتیاط عمل مین لائے تو عام حالات مین وہ شخص کسی ماہر کارندہ کو کام کے انجام دینے پر مامور کر کے اپنی ذمہ داری اس کارندہ پر منتقل نہین کرتا، بلکہ وہ اور ماہر کارندہ کو مامور کر کے درحقیقت احتیاط ہی عمل مین لاتا ہے،

[1] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۳۹ ایڈیشن ۱۹۲۸ء،

اگر یہ شخص کسی ایسے کام کی انجام دہی کے لئے جس مین خاص مہارت کی ضرورت ہے، کسی ماہر کو مقرر کرنے کے بجائے خود ہی وہ کام انجام دے لے، تو اس صورت مین اس شخص سے ضروری احتیاط تو کیا عمل مین آتی، خود غفلت کا صدور ہو گیا، اس بنا پر خود مختار کارندہ کو مقرر کرنے والا اس لئے ذمہ دار نہین قرار دیا جا سکتا کہ اُس نے اپنا فرض دوسرے کی جانب منتقل کر دیا، جو دلیل بھی خود مختار اجیر کو مقرر کرنے والے کو ذمہ دار قرار دینے کے بارے مین پیش کی جا سکتی ہے وہ سوا اس کے اور کچھ نہین ہو سکتی کہ مصالح عامہ کے خیال سے اس نوعیت کے مقدمات مین بھی نیابتی ذمہ داری کے اصول کو وسعت دی گئی ہے،

سر جان سامنڈ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اگر اس اصول کو عام طور سے تسلیم کر لیا جائے تو پھر ملازمون اور آزاد کارندون مین کوئی فرق کسی طرح باقی نہ رہ سکیگا، اور عملاً یہ صورت حال پیش آئے گی کہ اگر کوئی شخص کسی کام کو انجام دینے کے لئے اپنے بجائے کسی دوسرے شخص کو مامور کرے تو مامور کرنے والا شخص تمام صورتون مین لامحالہ ذمہ دار قرار پائے گا، اگر زید اپنا سامان خود کہین سے لائے یا لیجائے تو احتیاط برتنا اسی کا کام ہی ہوگا، لیکن اگر زید یہ کام کسی دوسرے سے لینا چاہے جس کی حیثیت خود مختار اجیر کی ہو تو زید کو اس اجیر کی غفلت کا ذمہ دار نہ ہونا چاہیے،

اصل شخص کو ذمہ دار قرار دینے کے بارے مین یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی خود مختار اجیر کے سپرد کوئی خطرناک کام کیا جائے، تو اس کی ذمہ داری اصل شخص پر رہنی چاہیے، چنانچہ چیف جسٹس کاک برن نے ایک مقدمہ[1] کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھا ہے،

"وہ شخص جو کسی ایسے کام کے عمل مین لائے جانے کا حکم دیتا ہے، جس سے عادۃً ہمسایہ کو مضرت پہنچنے کا احتمال ہو تو مضرت پیدا ہونے کا سد باب کرنے کے علاوہ مامور کنندہ اس

[1] Bower v. BeaT.

امر کا بھی پابند ہے کہ اپنی ضرورت کے رفع کرنے مین، ایسا انتظام عمل کرے، کہ مضرت نہ
پہونچنے پائے اور اپنے کام کو انجام دینے کے لئے کسی دوسرے شخص کو مامور کرنے کی صورت مین
خواہ وہ معاملہ ہو یا کوئی آزاد شخص، اس کا انتظام بھی کر لیا جائے کہ مفوضہ کام سے کسی
کو مضرت نہ پہونچنے پائے، ورنہ مامور کنندہ اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے نہین بچا سکتا"

سر جان سامنڈ کی رائے مین چیف جسٹس کاک برن کی رائے درست نہین ہے اور اس معمول کو کسی
معقول اصول قرار نہین دیا جا سکتا، سامنڈ نے اپنی رائے کی تائید مین لارڈ بلاک برن کا قول پیش
کیا ہے، لارڈ بلاک برن نے ایک مقدمہ[۱] کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ صرف چند ہی کام ایسے ہو
ہین کہ اگر وہ کارندون کے سپرد کئے جائین، اور احتیاط نہ برتی جائے، تو ان سے دوسرون کو مضرت پہونچنے
کا اندیشہ نہین کیا جا سکتا ہو، اگر نیابتی ذمہ داری کا وجود محض اسی لئے ہے تو پھر ملازمون اور خود مختار
کارندون کا فرق ہی قانون سے عملاً محو ہو جائے گا،

اگر زید کسی گتہ دار کو آتش گیر اشیا تیار کرنے کے لئے مامور کرے، تو آیا وہ اس لئے ذمہ دار قرار دیا
جائے گا، کہ گتہ دار کے ملازمون نے غفلت کر کے کسی کو کوئی مضرت پہونچائی،[۲]

غرض یہ مسئلہ پیچیدہ ہے اور اس مین باہمی اختلاف آرا ہے،

قانونِ جنایات مین اخلاقی عنصر کو ملانے کی تحریک

اس صدی کی ابتدا سے انگلستان مین یہ تحریک شروع ہوئی تھی کہ جنایات
کے قانون مین اخلاقی عنصر کی آمیزش کی جائے، اس کا مدعا یہ تھا کہ جنایات کے
دعاوے مین صرف مدعی کا نقصان نہ دیکھا جائے، بلکہ ذمہ داری عائد کرنے مین مدعیٰ علیہ کی ذہنی حالت
کو بھی وقعت دی جائے، اور جس کا قصور ہو اس پر ذمہ داری عائد کی جائے، مثلاً خود مختار اجیر کے کسی قصور
پر اصل شخص ذمہ دار نہ قرار دیا جائے،

[۱] Hughes v. Percival. [۲] سامنڈ، لاآف ٹارٹس ص ۱۳۸ و ص ۱۲۹ سنہ ۱۹۲۸ء

اس تحریک کی بڑے بڑے اساتذہ نے حمایت کی لیکن قدیم نظریہ نہ صرف مضبوطی سے قائم رہا، بلکہ
عدالتون اور پارلیمنٹ نے قدیم اصول مین مزید وسعت پیدا کرنے کی کوشش کی، اور خود مختار کارندون کے
افعال کی بنا پر مامور کنندہ کی ذمہ داری بڑھنے لگی، اور مزدورون کے معاوضہ کے قوانین کے ذریعہ مستاجرون
پر روز افزون ذمہ داریان بڑھائی جا رہی ہین، چنانچہ کئی ایسی صورتون مین مستاجر پر معاوضہ کی ذمہ داری عائد
کر دی گئی جن مین وہ قصوروار نہین تھے[۱]

(باقی)

[۱] ڈبلیو، ایس سٹالی، بر اس کا نوٹ جو انھون نے سامنڈ کی کتاب لاآف ٹارٹس مین باب اول کے
اختتام پر لکھا ہے، ص ۶۳ تا ص ۷۰، سنہ ۱۹۲۸ء،

برٹش میوزیم مین کتب مشرقیہ کی نمایش

از

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو، فیلو راکیفیلر فاونڈیشن آکسفرڈ یونیورسٹی

ابھی کچھ چند دن ہوئے برٹش میوزیم لندن مین بعض مشرقی ممالک کے مخطوطات و مطبوعات کی نمایش کا انتظام کیا گیا تھا، ایک وسیع ترین ہال مین جسے جارج سیوم نے تعمیر کرایا تھا، گیارہ شوکیس بنائے گئے تھے، اور ان مین ہندستان، قدیم ایران، ترکی، چین، جاپان، سیام، اور مشرق کے بعض اور ممالک کی کتابین بڑے سلیقہ سے شوکیس مین نمایش کے لئے رکھی گئی تھین، ہر کتاب کے متعلق کارڈ پر مختصر سے معلومات بھی درج کر دیئے گئے تھے، عربی و فارسی کے مخطوطات و نوادر کی نمایش پر زیادہ زور دی گئی تھی،

اسلام کے نامور مصنفین کی نایاب کتابون ابن خلکان، ابن خلدون اور دوسرے مشاہیر کے ہاتھ کی تحریرون کو یورپ مین دیکھ کر جو دل کی کیفیت ہوتی ہے، اس کا اظہار آسان نہین اقبال نے جبھی کہا ہے،

مگر وہ علم کے موتی، کتابین اپنے آبا کی
جو دیکھین ان کو یورپ مین تو دل ہوتا ہے سیپارہ

یہان مختصر طور پر عربی فارسی کی کتابون اور دوسری تحریرون کا حال لکھا جاتا ہے:-

سب سے پہلے عربی مخطوطات کا ذکر کیا جاتا ہے،

قرآن شریف: تقطیع خورد، خط کوفی، کتابت ظاہرا گیارہوین یا بارہوین صدی کی معلوم ہوتی ہے،

قرآن شریف: تقطیع کلان، کتابت بہت عمدہ اور واضح، خط نسخ جلی،

اجازت نامہ: عبدالملک بن یزید کے زمانے مین مصر کے گورنر نے ایک قبطی کو جس کا نام پڑھا نہین جاتا یہ اجازت نامہ عطا کیا تھا کہ وہ دیرابو حرمس سے آکر فسطاط (قاہرہ) مین اواخر ربیع الثانی ۱۳۲ھ تک قیام پذیر ہو سکتا ہے، تاریخ تحریر ربیع الاول ۱۳۲ھ ہے،

دستاویز: کسی شخص احمد بن قرا نامی کو یہ دستاویز احمد بن طولون امیر مصر ۲۵۴ھ - ۲۷۰ھ نے عطا کی ہے،

یہ دستاویز ایک شامی مخطوطہ کے صفحۂ اول پر چسپان ہے،

کتاب العرائس: سیرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ ابو اسحاق الثعلبی النیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ مکتوب در ۵۱۳ھ ۱۱۱۹ء،

کتاب البارع فی اللغۃ: عربی لغت کی مشہور کتاب مؤلفہ ابو علی اسماعیل بن القاسم القالی متوفی، اس کتاب کی ضخامت کا اندازہ ابن خلکان کے اس بیان سے ہوگا،

"کتاب البارع فی اللغۃ بناہ علی حروف المعجم وھو یشتمل علی خمسۃ آلاف ورقۃ"

پیش نظر نسخہ اس ضخیم کتاب کا صرف ایک ٹکڑا ہے، اتنا قدیم ہے، اور گیارہوین صدی عیسوی کا معلوم ہوتا ہے۔

کتاب المغازی: ابی عبداللہ محمد بن عمر بن الواقدی متوفی [illegible]

کا بہت اچھا نمونہ ہے، اسکی کتابت عراق میں ابو البرکات بن عیسیٰ بن ابو الاعلیٰ نے ۵۶۴ھ ۱۱۶۹ء میں مکمل کی، ترقیمہ کی عبارت مجھے پسند آئی:

"ووافق الفراغ منه يوم السبت حادي عشر شعبان سنة اربع وستين وخمس مائة بمدينة الجزيرة عمرها الله تعالى كتبه العبد الحقير الى رحمة الله ورضوانه ابو البركات بن عيسى بن ابي يعلى رحمه الله ورحم من ترحم عليه ودعا له ولوالديه بالعتق من النار ولجميع المسلمين بالمغفرة ورحم الله من قرأ فيه وترحم على كاتبه وعلى جميع المسلمين والحمد لله رب العالمين" مقابلہ، یہ نسخہ بہت حد تک صحیح ہے۔ چار چار بار اس نسخہ کا منقول سے مقابلہ کیا گیا ہے: "بلغ مقابلته اربع مرات ...... على يد كاتبه عبد الواحد بن عبد الرحمن بن محمد بن عثمان بن علي بن سليمان بن عبد الواحد ....."

جمعُ الغرائب: احادیث کے غیر مشہور الفاظ کے لغات عربی شعراء کے اشعار بطور سند مصنف نے درج کئے ہیں، مکتوبہ ۴۵۰ھ ۔ ۱۰۵۵ء

قانون ابن سینا: ضخیم کتاب کا پیش نظر نسخہ صرف ایک ٹکڑا ہے، جس میں تیسری کتاب کے صرف آخری سات فنون ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھا جائے کہ روم ایڈیشن کے ص ۲۸۹ - ۱۱۰ کا مواد اس نسخے میں درج ہے، خطِ نسخ مکتوب در ۵۲۵ھ مطابق ۱۱۳۱ء

جامع البیان عن تعویل القرآن: قرآن پاک کی تفسیر از ابو جعفر طبری، نسخہ بارہویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

کتاب الفصول: مصنفہ قاسم بن محمد الدیرتی،

عربی خطوط نویسی کے آئین اور نمونے درج ہیں، کتابت تیرہویں چودہویں صدی عیسوی کی معلوم ہوتی ہے،

کتاب الغاذی والمغتذی: از ابو جعفر احمد بن محمد بن ابی الاشعث، فنِ طب کی اس کتاب میں جسمِ انسانی کے مختلف اعضاء کا حال درج ہے، مصنف کے ذاتی نسخے سے یہ نقل ۳۴۹ھ مطابق ۹۶۰ء میں تیار کی گئی ہے،

ترجمان العبر: مصنفہ ابن خلدون (جلد چہارم)

تاریخ ابن خلدون کے اس نسخے کی اہمیت یہ ہے کہ اس کی کتابت مصنف کے لئے مصر میں کی گئی تھی، یہ نسخہ ایک زمانہ تک مصنف کے زیرِ مطالعہ رہا، متن میں اس کے قلم کے اضافے موجود ہیں اور بعض مقامات پر اس نے حواشی میں بعض معلومات کا اضافہ کیا ہے، یہ معلومات ۸۰۳ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہیں،

نمائش میں اس نسخے کا جو صفحہ کھلا ہوا ہے، اس میں ایک شجرہ غوری بادشاہوں کا ہے جنھوں نے غزنہ، خراسان اور ہندوستان پر حکومت کی، مصنف نے ایک لمبا نوٹ اُن کے جانشینوں پر جو ہندوستان کے حکمران رہے تھے، لکھ کر اضافہ کیا ہے، بعض معلومات سلطان محمد شاہ کے متعلق بھی بڑھائے ہیں جن سے ابن بطوطہ ملا تھا،

مقاماتِ حریری: حفید مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ، کی کتابت ۵۵۷ھ ۱۱۶۲ء میں ہوئی ہے، مختلف اصحاب کی تصحیحات درج ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ متعدد اصحاب کے زیرِ مطالعہ رہا ہے،

مقامات کا ایک دوسرا نسخہ[1] بھی نمائش گاہ کی زینت ہے، جو نہایت خوبصورت خطِ نسخ میں

---

[1] ابھی حال میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو قاہرہ میں مقامات کا ایک نسخہ دیکھنے میں آیا، یہ مکمل کتاب خود مصنف

شیر خرما سے ~~۶۵۴ھ~~ ۱۲۵۶ء میں لکھا گیا ہے، اس نسخے میں ۱۸ نہایت عمدہ تصویرین ہین، جو اسلامی مصوری کے ابتدائی زمانہ کی ہین، اور ان کی بڑی اہمیت ہے،

کتاب نعت الحیوان ومنافعہ } طب کی ایک کتاب جس مین یہ بتایا گیا ہے کہ جانورون کے جسم کے مختلف اعضا رکن امراض مین مفید ہین، نسخہ مصور ہے، اور مختلف جانورون کی تصویرین موجود ہین،

دیوان المتنبی: ابو الطیب احمد بن الحسین المتنبی مقتول ~~۳۵۴ھ~~ کے دیوان کا نہایت قدیم اور اہم نسخہ، اس کی کتابت مصنف کی وفات کے ۴۴ سال کے بعد ~~۳۹۸ھ~~ میں ہوئی ہے، اس دیوان پر علی بن حمزہ بصری نے جو حواشی لکھے ہین، وہ بھی اس نسخہ پر بصری کے ایک شاگرد نے درج کر دیئے ہین،

وفیات الأعیان: ابن خلکان کی تاریخ کا نادر ترین نسخہ، خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا، نمائش مین کتاب کا پہلا اور دوسرا حصہ رکھا گیا ہے لیکن منتظمین نے یہ خوشخبری سنائی کہ اس کا چوتھا حصہ بھی یہان موجود ہے، پوری کتاب ابن خلکان (~~۶۰۸ھ~~ - ~~۶۸۱ھ~~) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور حواشی پر ان کے قلم کے اضافے بھی ملتے ہین، اس کی کتابت انھون نے مصر مین جمعہ ۵ ربیع الاول ~~۶۵۵ھ~~ کو مکمل کی ہے،

نمائش گاہ میں اس نسخے کا جو صفحہ کھلا ہوا ہے اس مین طغتکین اور طلائع بن زریک کے حالات درج ہین، طغتکین کے ترجمہ کے بعد ابن خلکان نے حاشیہ مین اس عبارت کا اضافہ کیا ہے :-

"وللمعز المذکور صنف ابو الغنائم مسلم بن محمود بن نعمۃ بن ارسلان الشیزری کتابہ الذی سماہ، عجائب الاسفار[۱] وغرائب الاخبار، واودع فیہ من اشعارہ واخبار الناس کثیراً،"

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۹) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور اس مین بڑے نامور علماء کی تحریرات درج ہین [۱] اس کا ایک نسخہ برلن کے کتب خانہ مین محفوظ ہے،

کچھ دنون کے بعد ابن خلکان کی نظر پھر اس صفحہ پر پڑی، اس وقت انھون نے دو مزید اضافے کئے، یہ اضافے پہلی تحریر سے یون نمایان ہین کہ اس کی روشنائی نہایت سیاہ ہے اور چمکیلی،

پہلا اضافہ مختصر سا متن کے بین السطور مین ہے، متن مین لکھا تھا کہ سیف الاسلام کی وفات ~~۵۹۳ھ~~ مین منصورہ[۱] مین ہوئی، اب انھون نے بین السطور مین تاریخ وفات ۱۹ر شوال کا اضافہ کر دیا ہے، پھر وفات کے ذکر کے بعد اس عبارت کا اضافہ ہو :-

"وتولی بعدہ ولدہ الملک المعز فتح الدین اسماعیل"

ایک اور اضافہ حاشیہ پر درج ہے :

وذکر ابو الغنائم المذکور فی کتابہ جمہرۃ الاسلام ذات النثر والنظام[۲] انہ مات بتعز ودفن بہا بالمدرسۃ. ثم قال وقتل ولدہ فتح الدین ابو الفداء اسماعیل فی رجب سنۃ ثمان وتسعین بمکان یقال لہ عجمی شامی زبید وتولی مکانہ أخوہ الملک الناصر ایوب"

پھر ابن خلکان کو خیال ہوا ہوگا کہ اس صفحہ پر ابو الغنائم کا دو جگہ ذکر آیا ہے، کچھ ان کا حال بھی لکھ دینا چاہئے، چنانچہ طلائع بن زریک کے ترجمے کے سامنے سیدھے ہاتھ کے حاشیے پر یہ عبارت بقلم خود بڑھائی ہے،

"وکان ابو الغنائم المذکور ادیبًا شاعراً وکان موجوداً فی سنۃ سبع عشرۃ وست مائۃ. فقد[؟] فی ہذہ السنۃ او بعدہا، وکان

[۱] اس پر یہ بین حاشیہ لکھا ہے :- وذکر المعز بن عساکر انہ مات بالجراء مین بلاد الیمن،
[۲] ہمارے استاد مکرم علامہ عبد العزیز میمنی نے اطلاع دی ہے کہ اس کتاب کا ایک نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانے مین موجود ہے،

عارف تھے[1] والد شیخ سید احمد سیالکوٹ مین پیدا ہوئے، لیکن سکونت اکبرآباد (آگرہ) مین اختیار کی، اور یہین ۱۰۶۲ھ مین سپرد خاک ہوئے[2]، محمد فاضل کی ولادت اکبرآباد مین ہوئی، اپنے پدر بزرگوار سید احمد کی ولادت کے سلسلہ مین رقمطراز ہین[3]:

مولد او سیالکوٹ بدان   اکبرآباد گشت مسکن آن

یک جدِ کلانِ آن شہ دین   ترمذی است با فر و تمکین

مولد من کز و دلم شاد ست   شہر پر فیض اکبرآباد است

مسکنم نیز اندران شہر است   بینم آخر چہ گردش دہر است

یا دران شہر مدفنم سازد   یا دِگر خطہ مسکنم سازد

سید احمد کی والدہ محترمہ کے اجداد سادات مین سے تھے، عرب سے ہجرت کرکے ایران اور توران ہوتے ہوئے ہندوستان آئے، اور یہین مستقل سکونت اختیار کرلی، صاحب علم و فضل تھے، اور اپنے دیار کی بزرگ و برگزیدہ ہستیون مین شمار کئے جاتے تھے،

از عرب[4] آمدند در ایران   پس ز ایران بخطۂ توران

باز در ملکِ ہند کردہ قرار   ہر یکے زان بزرگہاے دیار

---

[1] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۰۲،

پدرش (پدر سید احمد) عارفِ زمن بود   نام نامی او حسن بودہ

[2] ایضاً ص ۱۰۱ شد رقم سال نقل آن سید   آب ور دو نق بخلد از احمد
۱۰۶۲ھ

مرقد او باکبرآباد است   در جہان روضۂ از خدا شاد است

[3] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ، ص ۱۰۲-۱۰۳،

[4] " " " " ص ۱۰۵

سید احمد والد کی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے انتیسوین محمد فاضل تیسوین اور عبد اللہ بن محمد فاضل اکتیسوین پشت مین تھے، محمد فاضل تحریر فرماتے ہین،

من[1] و فرزندِ من بآن کرسی   سی و یک می شوم اگر پرسی

"سید احمد کی ذات مجمع کمالات، مصدر خوارق و کرامات، آفتاب سپہر معرفت، قبلۂ اولیا، کعبۂ اہلِ صدق، محبوب محبان احمد مختار، اور گل گلزار حیدر کرار تھی"، ان کا سلسلۂ نسب دونون جانب سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے،

ذاتِ[2] او بود سید الطرفین   نور سعدین و لؤلؤ بحرین

این[3] چنین پاک سید از دو طرف   مثلِ او کے بود دگر بشرف

ذاتش[4] از نسل سید الشہداست   قرۃ العین حیدر و زہراست

سید احمد کے دو لڑکے تھے، محمد فاضل اور محمد عاقل، چھوٹے[5] محمد عاقل نہایت خوش اخلاق و خوش اطوار تھے، محمد فاضل کو چھوٹے بھائی سے انتہائی محبت تھی، محمد عاقل نے ۱۰۹۲ھ مین اس دار فانی کو خیرباد کہا، چھوٹے[6] بھائی کی موت کے صدمۂ جانکاہ سے اشکون کا طوفان امنڈ پڑا، زندگی سوگوار ہوگئی اور یہ غم مرتے دم تک ساتھ رہا، ان تاثرات کو محمد فاضل کی زبانی سنیئے[7]،

سرشکم چو طوفان بلا خیز شد   دلم از غمش نعرہ انگیز شد

جگر از غم ماتمش سینہ چاک   من از اشک در آب او زیر خاک

---

[1] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۰۴، [2] ایضاً ص ۱۰۲ [3] ایضاً ص ۱۰۵ [4] ایضاً ص ۱۰۵ [5] ر ص ۱۰۶

دادم از پشت آن ستودہ سیر   کوچک از خود برادر دیگر

[6] ایضاً ولا سال نقلش بلطفِ کریم   بگو جائے عاقل بہشت نعیم"
۱۰۹۲ھ

[7] ایضاً ص ۱۵۴،

افسوس ہو کہ اب تک مکمل طور پر مرتب ہو کر شائع نہیں ہو سکی ہے، موجودہ نسخہ پہلی جلد کا آخری حصہ ہے جس میں فارس کے مغول حکمران غازان خان ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء تا ۷۰۴ھ ۱۳۰۴ء تک کے حالات درج ہیں،

ذخیرۂ خوارزم شاہی: فارسی زبان میں طب کی قدیم ترین انسائیکلوپیڈیا مصنفہ زین الدین ابو ابراہیم اسمٰعیل بن حسن الجرجانی متوفی ۵۳۱ھ ۱۱۳۶ء نسخہ تیرھوین صدی کے اواخر کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

دیوان حافظ سعد: حافظ سعد کے متعلق بہت کم معلومات ہم تک پہنچے ہیں، غالباً اُن کا زمانہ تیرھوین صدی ہے، پیش نظر نسخہ اُن کی غزلیات اور دوسری منظومات کا مجموعہ ہے جسے شیخ محمود نے خط نستعلیق میں شاہ بوداق کے کتب خانے کے لئے لکھا تھا، جو علوم و فنون کا بڑا مربی تھا، گو شاہ بوداق کبھی تخت نشین نہ ہو سکا لیکن وہ ازبکون کے شیبانی خاندان کا ایک نامور رکن تھا، جنھون نے سمرقند پر ۱۴۲۹ء سے کم و بیش ۱۶۰۰ء تک حکومت کی،

موجودہ نسخہ متحف برطانیہ میں خطاطی اور مرصع کاری کے بہترین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی کتابت ۸۶۳ھ ۱۴۵۹ء میں ہوئی ہے،

حافظ سعد کا کلام عام طور پر نہین ملتا، یہان نمونے کے لئے ایک غزل درج کی جاتی ہے:-

اے نور ز تو جہان جان را	من بے تو چہ می کنم جہان را
آتش زدم و بہ باد دادم	در کوے غم تو خان و مان را
دل گشت کباب چند بندم	در سینۂ آتشین فغان را
دریاب کہ جان رسید بر لب	از درد جدائی تو جان را
دانست کہ در غمت کنم فاش	این گریہ و نالۂ نہان را
بخشم بہ نوید گفت خاموش	مگشاے دہان مکش زبان را

کا شب سر صحبت ست ما با	آن شمع سراچہ روان را
شد از دم و آہ خویش نیشان	این شعلہاے آسمان را

دیوان سلمان ساوجی: جمال الدین سلمان خواجہ، جو سلمان ساوجی کے نام سے مشہور ہیں اُن کے دیوان کا ایک مستند نسخہ، مکتوب در ۷۹۴ھ ۱۳۹۲ء طرز کتابت نستعلیق کے ابتدائی زمانہ سے مشابہ ہے،

کتاب التفہیم لعوامل التنجیم: ابوریحان بیرونی متوفی ۴۴۰ھ ۱۰۴۸ء کی ہیئیات میں مشہور تصنیف، بہ خط نسخ، مکتوب در ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء،

متعدد علحدہ شوکیس میں عربی اور فارسی کے مندرجہ ذیل مخطوطات رکھے گئے تھے، جو خطاطی بطور خاص اور مرصع کاری کے بہت اچھے نمونے کہے جا سکتے ہیں،

قرآن شریف: تقطیع کلان، قرآن پاک کے کچھ اجزا رجلی خط ثلث میں مذہب، یہ نسخہ شاہی کتب خانے کے لئے موصل میں ۷۱۰ھ میں تیار کیا گیا،

قرآن شریف: تقطیع کلان، مکمل، زمانہ کتابت تقریباً تیرھوین صدی عیسوی طلائی ورق، اور سورتون کے نام (جو بخط کوفی ہین) سنہرے ہین،

قرآن شریف: تقطیع خورد، خط کوفی بہ خط خفی ۱۲۵۲ء تقریباً سال کتابت ہے،

قرآن شریف: تقطیع کلان، سات جلدون مین مکمل قرآن کی کتابت سنہرے حرفون مین کی گئی ہے، ابتدائی چار صفحات کی مرصع کاری دیکھنے کے لائق ہے، یہ نسخہ مملوک بادشاہ رکن الدین بیبرس دوم (۱۳۰۴ء تا ۱۳۰۵ء) کے لئے لکھا گیا ہے،

قرآن شریف: تقطیع کلان، کتابت سولھوین صدی کی ہے، خط نسخ کا یہ نادر نمونہ کسی شاہی کتب خانہ میں ۱۵۷۶ء میں رہ چکا ہے، یہ کسی زمانہ مین امیر سندھ کی ملکیت مین تھا، بعد کو

شاہان دہلی کے پاس بھی رہا ہے، متعدد تحویلین بھی درج ہین،

شاہنامہ: مصوّر و مرصّع، تیموریون کے زمانہ کی مصوری کا نفیس نمونہ جو رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے نوادر مین ہے، اور برٹش میوزیم کے منتظمین کی درخواست پر نمایش کے لئے مستعار لیا ہے، اس نسخہ کی مرصّع کاری پندرہوین صدی کے نادر روزگار فن کارون کے ہاتھ کی ہے، ترقیمہ درج نہین، لیکن مہرون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ دہلی کے شاہی کتب خانے کی زینت کا سامان بن چکا ہے، اس پر مغل خاندان کے چھ حکمرانون، بابر، ہمایون، اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب کی مہرین ثبت ہین،

خمسۂ نظامی: برٹش میوزیم کے اہم ترین نوادر مین اس کا شمار ہے، شاہ محمود نیشاپوری نے یہ نسخہ شاہ تہماسپ (۹۳۰ھ ۱۵۲۴م) کے لئے تبریز مین تیار کیا تھا، اس کی تکمیل مین تین سال خرچ ہوئے، اس کی تصویرین شاہی دربار کے نامور ترین مصورون نے بنائی ہین، جن مین مرزا علی، سلطان محمد اور آقا میرک خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، تصاویر کی تعداد ۱۴ ہے، ان مین ۱۱ تو اسی زمانہ کی ہین جس زمانہ مین اس نسخہ کی کتابت ہوئی ہے، اور تین تصویرین بعد کا اضافہ ہین، اس کی جلد بھی نقش و نگار اور مرصّع کاری کا بہترین نمونہ ہے، جو کتاب سے علٰحدہ کرکے برٹش میوزیم کے دفتری خانہ کی مرمت اور اصلاح کے بعد اس شوکیس مین نمایش کے لئے رکھدی گئی ہے، جو جلد سازی کے بہترین نمونون کے لئے مخصوص ہے، جلد پر جو تصویر بنی ہوئی ہے، اس مین دکھایا گیا ہے کہ فتح علی شاہ قاچار اپنے درباریون کے ساتھ شکار مین مشغول ہے،

جامع التواریخ: تاریخِ عالم جسے رشید الدین طبیب نے فارسی مین مرتب کیا اور مصنف کی نگرانی مین عربی مین اس کا ترجمہ ہوا، اس نے تاریخ لکھنے کی ابتدا ۷۰۰ھ مین کی اور ۷۰۴ھ مین ختم کرلیا، اس نسخے کی کتابت مصنف کی وفات سے چار سال پہلے ۷۱۴ھ مین ہوئی، تصاویر مغل مصوری کا بہت اچھا نمونہ ہین،

یہ نسخہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کی ملکیت ہے، اور نگران کی اجازت سے یہان نمایشگاہ مین رکھا گیا ہے، پیشِ نظر نسخہ کتاب کا صرف ایک حصہ ہے، بقیہ اجزا یونیورسٹی لائبریری اڈنبرا مین موجود ہین،

نمایش گاہ مین کتاب کا جو صفحہ کھلا ہوا ہے، اس مین غزوہ بنی نضیر کا حال درج ہے، اور تصویر مین دکھایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار اور صحابۂ کرام مسلح ہم رکاب ہین، دو سوار آگے، دو پیچھے، اور چار ان سے بھی پیچھے موجود ہین، جبرئیل جلو مین ہین، سامنے قلعہ سے بنو نضیر کے افراد نظر آرہے ہین، حاشیہ پر یہ فارسی عبارت درج ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ محاصرہ بنی النضیر کردہ بودند کفار آنجا از بالائے قلعہ ..... سنگ می انداختند"

انوارِ سہیلی: تعداد تصاویر ۲۵، مکتوب ۱۰۱۹ھ ۱۶۱۱م

خمسۂ نظامی نستعلیق، خوشخط، قلم خفی، مکتوب در ۸۴۶ھ ۱۴۴۲م اس مین ۲۰ تصویرین پورے پورے صفحہ کی ہین، جو فن کا بہت اچھا نمونہ ہین، تین تصویرون پر بہزاد کے دستخط موجود ہین،

خمسۂ نظامی اس نسخے مین ۱۲ تصویرین بہزاد کی طرف منسوب ہین، پانچ میرک اور دو اس عہد کے دوسرے مشہور مصورون کی طرف، یہ نسبتین ممکن ہے صحیح نہ ہون پھر بھی ان تصویرون کی اہمیت سے انکار ممکن نہین،

مجموعۂ تصاویر یہ مجموعہ کچھ قدیم نہین تیرہوین صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے، جس مین ایرانی شہزادون اور امرار کی تصویرین ہین، سامنے کے صفحہ پر "نواب مستطاب شہزادہ اعظم افخم اعتضاد السلطنہ علی قلی مرزا وزیر علوم و تجارت و صنائع" ایرانی درباری لباس مین متمکن ہین،

مجموعۂ تصاویر اس مجموعہ مین نظامی کی مثنویات اور دوسرے منظومات کے علاوہ ہیئت نجوم

کے بعض رسالے موجود ہیں اس کی کتابت دو کاتبوں نے ۱۳۰۱-۱۳۰۲ء میں تیمور کے پوتے اور ایک مغل شہزادے جلال الدین اسکندر کے لئے کی تھی، اس مجموعہ میں ۲۱ بڑی اور کچھ چھوٹی تصویریں موجود ہیں،

مجموعۂ تصاویر اس میں مغل اور ہندوطرز کی تصاویر ہیں اور کچھ نمونے خطاطی کے بھی موجود ہیں کھلے ہوئے صفحہ پر دو ہندو لڑکیاں ناچ رہی ہیں،

ایک دو شوکیس میں صرف جلد بندی کے نادر نمونے جمع ہیں، ان میں قدامت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اور کچھ جلد بندی کے نمونے صرف حسن اور نفاست کے خیال سے رکھے گئے ہیں، مندرجہ ذیل کتابوں کی جلد بندی دیکھنے کے لائق ہے، یوسف زلیخا، دیوان حافظ دیوان نوائی محمود دایاز از زلالی، گلستان، ظفرنامہ خمسہ نظامی، ہمایوں نامہ،

ہندوستانی سکشن میں زیادہ تر مصوری کے نمونے ہیں، راجہ مان سنگھ اور نورجہان کی تصویریں بھی ایک مجموعے میں دیکھنے میں آئیں، یہ مجموعہ ۱۸ ویں صدی کا تیار کیا ہوا معلوم ہوتا ہے،

اردو میں شاہ علی کے دکنی اشعار کا مجموعہ قابلِ ذکر ہے، جو ۹۹۹ھ کا لکھا ہوا ہے، اور شاید دو متحف برطانیہ کی قدیم ترین اردو کتابوں میں ہے،

ایک چھوٹی سی کتاب تصوف پر شاہ عبداللطیف سندھی کی بھی موجود ہے، جسکی کتابت ۱۹ ویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ہوئی ہے،

اس مضمون کا خاتمہ، اس نمایش کی مطبوعات پر کرتا ہوں،

ہندوستانی تصانیف کی طباعت کی ابتدا غالباً سب سے پہلے جنوبی ہند میں پرتگالی حکومت کے عہد میں کیتھولک مبلغین نے کی، سب سے پہلے ان لوگوں نے مسیحی تبلیغات کے متعلق کتابچے تامل زبان میں چھاپے، لیکن طباعت کی مشکلات کی وجہ سے رسم الخط رومن رکھا، ۱۵۷۸ء میں ملیالم زبان کے ٹائپ بنانے میں یہ لوگ قادر ہوگئے Taan Gonoaheg نے ملیالم زبان اور رسم الخط کا ٹائپ تیار کیا اور اس میں

کئی مذہبی کتابیں چھاپیں، Too do Faria بھی اپنے طور پر نئے ٹائپ بنانے اور ڈھالنے میں کامیاب ہوگیا، اور اس نے ۱۵۷۸ء میں تامل میں مذہبی کتابیں چھاپنی شروع کردیں، ۱۷۱۴ء میں عہد نامہ جدید کا تامل ترجمہ پروٹسٹنٹ مبلغین کی طرف سے شائع ہونا شروع ہوگیا، اس ترجمہ کی طباعت کی تکمیل ۱۷۲۰ء میں ہوئی، یہ مطبوعہ نسخہ یہاں نمایش کے لئے رکھ دیا گیا ہے،

شمالی ہند میں سب سے پہلے بنگالی زبان کی کتابوں کی اشاعت کی طرف لوگوں نے توجہ کی، بنگلہ ٹائپ پہلی مرتبہ چارلس اور بعد میں مہرا ولکنس نے تیار کیا، اور پہلی کتاب "اے گریمر آف دی بنگال لنگویج" مصنفہ N. B. Halhed ۱۷۷۸ء میں یہ ٹائپ استعمال کیا گیا، یہ مطبوعہ نسخہ بھی نمایش گاہ کی زینت ہے،

اپنشد کا وہ ترجمہ بھی یہاں موجود ہے، جو ۱۸۱۶ء میں کلکتہ سے رام موہن رائے نے شائع کیا تھا، موصوف کا یہ ترجمہ اُن کی ابتدائی زمانے کی تحریروں میں شمار کیا جاتا ہے، اور اس لحاظ سے بھی اس کی اہمیت ظاہر ہے، کرشن وجے کا ایک مطبوعہ نسخہ بھی قابل ذکر ہے جس کا مصنف (Gun-araja Khan) ہے جس نے کرشن کی زندگی وتعلیمات پر یہ کتاب بنگلہ زبان میں ۱۸۰۱ء میں لکھی تھی، کالی داس کی شکنتلا کا انگریزی ترجمہ سر ولیم جونس کا کیا ہوا جو کلکتہ میں ۱۷۸۹ء میں شائع ہوا تھا، اور ٹیگور کی گیتان جلی کا انگریزی ترجمہ لندن ۱۹۱۲ء بھی یہاں نمایش میں موجود ہے،

میں نے نمایش کے منتظمین سے اس بات کی شکایت کی کہ مطبوعات کے سکشن میں انھوں نے عربی و فارسی اور اردو کی کتابوں کے ساتھ کچھ نا روا سا سلوک کیا ہے کم از کم انتخاب میں انھوں نے بے پروائی برتی اور نہ قدیم اور حسین طباعت کے بڑے دلکش اور قیمتی نمونے انھیں نمایش گاہ کی زینت کے لئے مل جاتے، مجھے امید ہے کہ آیندہ ان مطبوعات کو خاطر خواہ جگہ دی جائے گی،

عربی مطبوعات میں دو کتابوں کا انتخاب کیا گیا ہے، احمد شوقی مصر کے مشہور شاعر کا مجموعۂ کلام شوقیات (مطبوعہ قاہرہ) اور عربی کے سب سے بڑے زندہ مصنف طٰہٰ حسین کی خود نوشت سوانح حیات الایام (مطبوعہ

قاہرہ ۵ مئی ۱۹۴۳ء کے نسخے نمایش گاہ کی زینت ہیں،

فارسی مطبوعات میں نمایاں جگہ علامہ اقبال کی تصانیف کو دی گئی ہے، مثنوی اسرار خودی مطبوعہ لاہور ۱۹۲۳ء کے نسخے کے قریب ہی انگریزی میں یہ تعارفی کارڈ رکھا ہوا ہے، سر محمد اقبال (لاہور) عہد ہندوستان کے بڑے جلیل القدر مسلمان شاعر کی اسلامی تصوف سے متعلق دو فارسی منظوم کتابیں"،

شوکیس میں ہندی، اُڑیا اور سنسکرت کے مطبوعات اور برہمنوں کی تصانیف کے مجموعے میں اقبال کی دوسری فارسی کتاب کا ص ۱۹۴ کھلا ہوا رکھا ہے، جس میں غزل ۱، کا یہ مطلع نمایاں طور پر نظر آتا ہے،:

ہنگامہ را کہ بست درین دیر دیر پائے

زناریان او ہمہ نالندہ ہم چو نائے

دروس الادب

مصنفہ

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

عربی کی پہلی اور دوسری ریڈر جن کو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کے لئے اس طرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب اور نحو کے ساتھ ساتھ تعلیم اور مشق ہو سکے، اکثر مدارس میں یہ داخلِ نصاب ہے،

قیمت حصہ اول ۳ ر

" دوم ۶ ر

"منیجر"

ملا عبدالقادر بدایونی

اور

ان کی تاریخ منتخب التواریخ

از

ڈاکٹر قاضی محمد ابراہیم ایم اے پی ایچ ڈی، لکچرار شعبۂ فارسی اسمٰعیل کالج بمبئی

ملا عبدالقادر بدایونی دربار اکبری کے ایک ممتاز ترین اور مشہور عالم و فاضل تھے، اُن کے نام کے بغیر اکبری تاریخ نامکمل رہ جاتی ہے، تاریخ نویسوں کی صف میں ان کا درجہ بلند و برتر ہے، علم تاریخ ان پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے، ملا صاحب خود اپنے پیدایش کا تذکرہ اپنی تاریخ میں مختلف جگہ کرتے ہیں، ملا صاحب بمقام ٹونڈہ جو آگرہ اور اجمیر کے درمیان ہے، پیدا ہوئے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"......آنجا سہ چہار روزی بودہ براہ قصبہ تودہ کہ مولد فقیر است بہ بساور کہ "و اوّل ارضِ مس جلدی ترابہا" وارد رسید"[1]

اس سے صرف اتنا ہی پتہ نہیں چلتا کہ وہ ٹونڈا میں پیدا ہوئے تھے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رسم ختنہ بھی اسی جگہ ادا کی گئی اور بقول ایلیٹ[2] ملا صاحب کی ولادت بدایون میں ہوئی، معلوم نہیں کن معلومات کی بنا پر ایلیٹ بدایون کو ان کا مقام ولادت بتلاتے ہیں، چونکہ ملا صاحب زیادہ عرصہ تک بساور میں رہے، اس لئے اسے اپنا مولد لکھتے ہیں، جیسا کہ ان کی ذیل کی تحریر سے ظاہر ہے؛

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۲۹۳ (فٹ نوٹ نمبر ۲) [2] ایضاً جلد دوم،

"................ در قصبہ بساور کہ مولد فقیر است اسحاق نامی افغان
شہید شدہ"

ملا صاحب ۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۰ء مین پیدا ہوئے، شیر شاہ سوری بڑی شان و شوکت
سے حکمران تھا، ایسے منصف مزاج بادشاہ کے عہد مین پیدا ہونے پر ملا صاحب فخر کرتے ہین، چنانچہ
لکھتے ہین کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نوشیروان جیسے عادل حکمران کے زمانہ مین پیدا ہونے پر
فخر تھا اسی طرح مجھے شیر شاہ جیسے منصف اور عدل پسند بادشاہ کے زمانہ مین پیدا ہونے پر ناز ہے؛[51]

"و بحمد اللہ کہ در زمان این چنین ملکی کما قال النبی علیہ السلام انا ولدت فی زمان
الملک العادل تولد صاحب این منتخب در ہفدہم شہر ربیع الثانی در سنہ سبع واربعین
وتسعمایۃ (۹۴۷ھ) واقع شد"

سال ولادت کی تصدیق ملا صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو انھون نے سلیم شاہ
سوری کے زوال کی بابت لکھا ہے؛

"واین واقعہ در سنہ سبع وخمسین وتسعمایۃ (۹۵۷ھ) روی داد و جامع اوراق کہ دران
زمان دہ سال بود این دو تاریخ یافت"[52]

عدلی کے ذکر مین ملا صاحب لکھتے ہین کہ بداون مین ۹۶۱ھ مین میان یحیی نے عدلی کی
فوج کو شکست دی، اس وقت ان کی عمر ۱۲ سال کی تھی، اس لحاظ سے وہ ۹۴۹ھ مین پیدا ہوئے
جس سے ان کے سنہ ولادت کے بارے مین شبہ پڑ گیا ہے، بعض صاحب قلم سنہ ولادت ۹۴۷ھ
اور بعض ۹۴۹ھ قرار دیتے ہین، مصنف دربار اکبری نے ۹۴۷ھ بتلایا ہے، الیٹ دونون سال (۹۴۷ھ
اور ۹۴۹ھ) لکھتے ہین،

---

[51] منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۶۳ [52] ایضاً ص ۴۰۹،

ملا صاحب کی والدہ بیانہ کے ایسے شریف خاندان سے تھین جس کے افراد صاحب علم اور دیندار تھے،
ملا صاحب کے نانا مخدوم اشرف بجوارہ کے سردار فرید تارن کی فوج مین کسی عہدہ پر فائز تھے، فرید تارن
سلیم شاہ کے عہد مین پنجہزاری سردار تھا، چنانچہ ملا صاحب لکھتے ہین:[53]

"جامع این منتخب ...... بالشکر فرید تارن پنجہزاری رفت"

ملا صاحب ابتدا مین اپنے والد ملوک شاہ کے پاس ہی رہے، اور قرآن مجید وغیرہ پڑھتے رہے، ان
کے والد نے ۹۶۹ھ کی ۲۷ رجب المرجب کو آگرہ مین انتقال کیا، آگرہ سے ان کی نعش بساور لاکر دفن
کی گئی، ملا صاحب لکھتے ہین،[54]

"والد ماجد مؤلف پیش ازین بیک سال ترک دنیا...... شیخ ملوک شاہ بتاریخ
بست وہفتم رجب المرجب در آگرہ بزحمت اسہال کبدی رخت ہستی از عالم فانی بملک جاودانی
بست ونعش او را در بساور بردہ مدفون ساختم"

ذیل کے اشعار سے ملا صاحب نے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے،

سرو فخر افاضل دوران ملوک شاہ   آن بحر علم و معدن احسان کان فضل
چون بود در زمانہ جہانے ز فضل ازان   تاریخ سال فوت نے آمد جہان فضل

والد کے بعد ملا صاحب نے اپنے نانا سے علم حاصل کیا، اور مختلف علوم سے بہرہ یاب ہوئے، اپنی
تاریخ مین اس کا مفصل حال لکھا ہے کہ مین نے جزئیات کی تعلیم اور دیگر علوم انہی سے سیکھے؛[55]

"در ہشتم ماہ مبارک رمضان این سال جد مادری فقیر مرحومی مخدوم اشرف در بیانہ
از عالم درگذشت و این خبر در بلدہ بسنسوان از توابع سنبل شنیدہ و فاضل جہان تاریخ وفات
او یافتہ شد و چون تعلیم جزئیات و بعضی از علوم عربیہ ازو گرفتہ بود و حقوق بسیار بر ذمہ اہل علم

---

[53] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۳۰۵ [54] ایضاً جلد دوم ص ۵۳ [55] ایضاً ص ۹۴

"داشت کلفت و محنت بسیار ازین واقعہ روی داد .... واین بیت امیر خسرو بیاد آمد کہ

سیف از دلم گذشت و دل من دونیم ماند — دریاے خون روان شد و در تیم ماند

ابتدا مین ملا صاحب اکبری عہد کے امیر اور جاگیردار حسین خان کی خدمت مین داخل ہوئے اس کے بعد اکبر کے دربار مین باریاب ہوئے، حسین خان اکبری دربار کے ایک امیر والی بیگ کا لڑکا تھا، دیندار سُنّی الاعتقاد، متقی و پرہیزگار ہونے کے علاوہ صاحب علم و دانش، مربی سخی و سخن وران اور جنگجو و بہادر سپاہی تھا، انھین اوصاف کی بنا پر ملا صاحب نے اس کی خدمت مین رہنا پسند کیا، ایک جگہ اس کا تذکرہ کرتے ہین: [1]

"وجامع این منتخب پیش ازین بیک سال در عمر خوب از بداؤن بہ پٹیالی رفتہ بخان مذکور (حسین خان) آشنا شدہ و از بس کہ متخلق و متواضع و درویش سیرت و شجاع و با دل و پاکیزہ روزگار و اہل سنت و جماعت و علم پرور و فضل دوست بود و نیک پیش آمد از صحبت او بجاے دیگر رفتن و ملازمت نمودن خوش نیامد و مدت دہ سال .... با وے شرکت کرد"

ملا صاحب دس سال تک حسین خان کی خدمت مین رہے، اور اس کے ساتھ میدان جنگ مین بھی شریک ہوئے، حسین خان نے اپنی جوانمردی و سپاہیانہ ہنر کی وجہ سے اکبر سے انعام حاصل کئے، چنانچہ ۹۸۱ھ مین اس نے اکبر کے ساتھ کسی مہم مین اپنی جوانمردی کے جوہر دکھائے، جس سے اکبر خوش ہوا، اور اسے انعامات سے مالا مال کیا، اور اپنی شمشیر ہلالی اسے دی، ملا صاحب لکھتے ہین: [2]

"و شاہنشاہی جمعی را بہ تیر اندازی حکم فرمود .... و حسین خان از جملہ آن کسان

---

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۱۰۷ ، [2] ایضاً ص ۱۶۸ ،

بود کہ درین جنگ از پیش قدمان بود و شمشیر ہلالی خاصہ کہ مشہور ترین شمشیرہا بود با و بخشیدند"

ملا صاحب حسین خان کی جرأت اور جوانمردی کی تعریف کرتے ہین اور اسے رستم سے بھی زیادہ سراہتے ہین،

"درین سال سکندر در قلعہ مانکوٹ متحصن شد و امراے کبار ہر روز جنگ انداختہ کار برو تنگ ساختہ خصوصاً محمد حسین خان .... دران جنگ تردد ے کرد کہ اگر رستم زندہ می بود انصاف می داد" [1]

حسین خان صوفیون اور ولیون کا بھی دلدادہ تھا، اور ان کا بڑا احترام کرتا تھا، اور اکثر اوقات ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا، ملا صاحب نے اپنی تاریخ خصوصاً اس کی تیسری جلد مین اکثر جگہ اس کا ذکر کیا ہے، ملا صاحب بھی اس کے ساتھ ولیون اور خدا ترس لوگون کی صحبت سے فیض حاصل کرتے اور اسے باعث عز و شرف سمجھتے، اس کی وفاداری اور جوانمردی سے متاثر ہو کر اکبر نے کانت گولہ کی جاگیر اسے دیدی تھی، لیکن پھر مخالفون کے بھڑکانے پر اس سے ناراض ہو گیا، اور جاگیر چھین لی، اور دربار مین آنے سے روک دیا، [2]

ایک مرتبہ جب اکبر آگرہ سے دہلی واپس ہوا، تو [3] حسین خان نے حاضر خدمت ہونے کی آرزو ظاہر کی لیکن قبول نہ ہوئی،

ملا صاحب جب زخمی ہو کر ایک مدت تک صاحب فراش رہے، تو حسین خان نے اُن کی بڑی تیمارداری کی چنانچہ لکھتے ہین،

"[4] .... واز آنجا بہ کانت گولہ رسید چون غسل کرد، از سر نو صاحب فراش گشت و

---

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۱۰۸ ، [2] ایضاً ص ۱۷۸ ، [3] ایضاً ص ۱۰۴ ، [4] ایضاً ص ۱۵۲ ،

حسین خان را حق سبحانہ و تعالی بہشت جاودان نصیب گردانیدہ باشد کہ مرا بانہای پدری و برادری فوق از طاقت بشری بجا آورد و ہم مرہم از چوب گز ساخت و ہم حلوائے گزر خوردن فرمود"۔

ملا صاحب نے خود میدان جنگ مین بعض مرتبہ حسین خان کو سہارا دیا، کسی مہم مین حسین خان سخت زخمی ہوا، اور بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گرا چاہتا تھا کہ ملا صاحب نے اسے سہارا دیا، اور اس کے چہرے پر پانی چھڑک کر ہوش مین لائے، اور اس کے گھوڑے کی لگام تھام کر جائے پناہ کی طرف لے گئے، لیکن آخر مین دونون مین کشیدگی پیدا ہوگئی، ملا صاحب نے صفائی کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی،

"...... و بچشم زخمے دران محبت رسید و امرے غریب باعث بر جدائی شد و او ہر چند در مقام عذر خواہی در آمدہ باز وسائل و سائط انگیخت و در بداون رفتہ والدہ مرحومہ را شفیع ساخت فائدہ نہ کرد بملازمت خلیفہ زمان شتافت، بیت"[1]

دل کہ رنجید از کسی خرسند کردن مشکل است

شیشہ بشکستہ را پیوند کردن مشکل است

ملا صاحب نے جمال خان قورچی اور حکیم عین الملک کے ذریعہ اکبر کے دربار مین رسائی حاصل کی،[2]

۹۷۵ھ مین بدایون مین دوسری شادی کی چنانچہ لکھتے ہین :-

"و درین سال نسبت کدخدائی صاحب انتخاب[3] در بداون مثنی واقع شد و بموجب للآخرة خیر لک من الاولیٰ بخجستگی بر آمد و الحمد للہ و تاریخ گفتہ شد"

چون مرا از عنایت ازلی اتصالی بماہ چہری شد

---

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم صفحہ ۸۰، [2] ایضاً ص ۱۰۲، [3] ایضاً ص ۱۰۵،

عقل تاریخ کدخدائی را گفت ماہی قرین مہرین شد"

اس بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انھون نے عبداللطیف رکھا، لیکن افسوس کہ اس نونہال نے زیادہ عمر نہ پائی اور جلد ہی داغ مفارقت دے گیا، ملا صاحب کو ایک اور صدمہ بھی سہنا پڑا، ان کے بھائی شیخ محمد بھی جن کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، راہی ملک بقا ہوا، اس درد و غم کا اظہار ان اشعار مین کیا ہے[4]

تا کے زمانہ داغ غم بر جگر نہد یک داغ نیک ناشدہ داغ دگر نہد

ہر داغ کہ آورد قدری رو بہ بہتری ان داغ را گذارد و داغ بتر نہد

بھائی کی موت پر ملا صاحب نے ایک نہایت موثر مرثیہ بھی لکھا تھا، چنانچہ لکھتے ہین،[5]

"و این ترکیب بند در مرثیہ او (برادر) از بس کہ بہ داغ حسرت فوتش الی الیوم الموعود کباب بود و ہست و خواہد بود نوشتہ شد و ہو ہذا :

اس کا ایک بند یہ ہے،

یارب این روز چہ روزیست کہ افتاد مرا وین چہ جانکاہ بلائیست کہ رو داد مرا

ہیچکس نیست کہ فریاد من او را برسید نرسد ہیچ کسے لیک بفریاد مرا

ماہ من آخر شب رفت پس پردہ غیب بین کزین حاملہ غیب چہ غم زاد مرا

مایۂ شادی و امید دلم رفت بخاک بعد ازین دل بچہ امید شود شاد مرا

گرچہ بنیاد من از صبر قوی بود دلی سیل غم آمد و انداخت ز بنیاد مرا

ان کسے را کہ کنم یاد بروزے صد بار دہ کہ یک بار بسالی نکند یاد مرا

چرخ بے داد چہ غمہا کہ بمن داد کنون داد خود از کہ ستانم کہ نہ داد مرا

---

[4] بدایونی جلد دوم ص ۱۲۰، [5] ایضاً،

ملا صاحب نے اپنی کتاب مین اپنی لڑکی کی موت کا بھی ذکر کیا ہے، چالیس برس کی عمر مین ملا صاحب کے
ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انھون نے محی الدین رکھا، اُن کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ رنگین مزاج بھی تھے، ۹۷۰ھ مین ملا صاحب کانت گولہ مین کسی کے عشق مین گرفتار ہو گئے مگر
وہ اس میدان کے مرد نہ تھے، اس لئے اس کا خمیازہ بھی انھین بھگتنا پڑا، محبوب کے رشتہ دارون نے
ملا صاحب پر حملہ کر دیا، جس سے وہ بیہوش ہو کر گر پڑے، اور عرصہ دراز تک صاحب فراش رہے، اس
واقعہ کو انھون نے خود لکھا ہے؛[1]

"دررین سال برجا مع منتخب واقعہ ہایلہ روے نمود و آن مجملا اینست کہ چون کانت گولہ
بجاگیر محمد حسین خان بود و فقیر برجب تقدیر چند گاہ در صحبت او ماندہ...... بتقریب شاہ مدار
قدس اللہ سرہ العزیز در مکن پور از توابع قنوج رسید، و چون آدمی زاد کہ شیر خام خوردہ
بحسب سرشت مرکب از غفلت جبلی کہ موجب ندامت و ظلم و جہل اصلی کہ باعث جسارت و
خسارت است و بہ میراث از ابو البشر بما رسیدہ دیدہ عقل را پوشید و آنرا عشق نامید و
بدام شہوت دل گرفتار ساخت و سرنوشت گذشتہ پیش آمد و بے ادبی عجب بناگاہ دران
درگاہ واقع شد واز آنجا کہ ہم غیرت و ہم عنایت حق سبحانہ عز شانہ بود مکافات آن
جریمہ و تنبیہ بران خطیہ در دار دنیا دید، تا ہم از قوم معشوق چند یا مسلط ساخت و نہ زخم
شمشیر پیاپے از ایشان بر سر و دست و دوش خوردہ ہمہ پوست مال رفت مگر زخم سر کہ
استخوان را شکستہ بمغز رسیدہ وبے شعور افتاد......"

اپنے والد اور نانا کے علاوہ ملا صاحب نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا تھا ان کا ذکر انھون نے
اپنی تاریخ مین کیا ہے،[2] شیخ سعد اللہ نحوی کے ذکر مین لکھتے ہین کہ اُن کے نانا نے ان کو شیخ موصوف

۱؎ منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۱۳۰، ۲؎ ایضاً حصہ سوم ص ۱۰۸

کی خدمت مین بھیجا، اور ملا صاحب نے اُن سے کافیہ کے چند سبق پڑھے، شیخ سعد اللہ بیانہ کے رہنے والے
شیخ محمد غوث کے شاگرد تھے، انھون نے بیانہ مین خانقاہ بھی تعمیر کی، ان کا انتقال ۹۸۹ھ مین
ہوا، ملا صاحب چند روز شیخ ابو الفتح[1] تھانیسری کے حلقہ درس مین بھی رہے، شرح شمسیہ مرزا
سمرقندی سے، اور وقایہ کے سبق قاضی ابو المعالی سے پڑھے، قاضی صاحب[2] ۹۶۹ھ مین بخارا سے
آگرہ آئے، وہ قاضی ابو المعالی گورنر بخارا کے شاگرد و خلیفہ اور داماد تھے،[3] اس وقت بخارا مین علم منطق کا
بڑا چرچا تھا، منطقی شریعت لوگون کو اس کی دلیلون کے ذریعہ جانور قرار دینے لگے، اس لئے گورنر موصوف
نے قاضی صاحب کے حکم سے اس علم کا مطالعہ بخارا مین بند کرا دیا جس کی وجہ سے بہت سے منطقی ہندوستان
چلے آئے،

ملا صاحب نے فیضی و ابو الفضل کے ساتھ ان کے والد شیخ مبارک سے بھی تحصیل علم کی، چنانچہ اپنی
تاریخ مین اُن کی تعریف کی ہے، مگر فیضی اور ابو الفضل کے تعلق سے نشتر بھی چبھوئے ہین،[4]

"جامع اوراق در عنفوان شباب بہ اگرہ چند سال در ملازمتش سبق خواندہ، الحق صاحب
حق عظیم است ولیکن بجہت ظہور بعضی امور دنیا وی و بے دینی و غوص در مال و جاہ و زمانہ
سازی و مکر و فریب و غلو در وادی تغیر مذہب و ملت آنچہ سابق داشت اصلاً نماند"

ملا صاحب بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے، اس لئے فیضی اور ابو الفضل اور اُن کے آزادانہ خیالات
سے انھین سخت نفرت تھی، اُن کے نزدیک یہ دونون خود بھی جادۂ اسلام سے منحرف تھے، اور اکبر
کو بھی منحرف کیا تھا، اس لئے وہ ان دونون کے سخت خلاف تھے، اور اپنی تاریخ مین نہایت برے
الفاظ مین اس کا ذکر کیا ہے، حتی کہ اس کی موت پر نہایت نامناسب تاریخین کہین، مثلاً

(۱) سگے از جہان رفتہ بحال قبیح؛[5]

۱؎ زبدہ منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۱۲۹، ۲؎ ایضاً ص ۱۵۰، ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ص ۱۵۱، ۵؎ ایضاً ص ۳۰۰

(۲) چه سگ پرستے مردے[1]

(۳) بود فیضی ملحدے[2]

ملا صاحب دیندار و متقی تھے، ان مین ریاکاری مطلق نہ تھی، جب انھیں مخدوم الملک اور عبدالنبی کی بددیانتی کا پتہ چلا تو اُن کے بھی خلاف ہوگئے، اور اُن کی بددیانتی کی مثالین بھی بیان کردین مخدوم الملک کی بابت لکھتے ہین کہ اکبر کے ابتدائی دور مین یہ سیاہ و سفید کا مالک تھا، اکبر کوئی کام اس کے اور عبدالنبی کے مشورہ کے بغیر نہین کرتا تھا، مذہب کے معاملہ مین یہ دونون بہتر تھے،[3] مخدوم الملک نے اسی زمانہ مین کافی دولت جمع کی، اور اپنے مکان مین دفن کردیا، اور اس کے اوپر قبر بنوادی، اور اس پر چراغ اور عود جلانے کے لئے ایک نوکر مقرر کردیا، تاکہ لوگ اسے کسی بزرگ کا مزار تصور کرین لیکن اس کا زوال شروع ہوا، تو اکبر نے اس کی دولت اور جائداد کی تفتیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کردی، اور اس تفتیش مین یہ قبرین بھی کھودی گئین، جس سے دولت برآمد ہوئی، اور شاہی خزانہ مین داخل کردی گئی، شیخ عبدالنبی کی بابت لکھتے ہین کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے وقت اپنی تمام جائداد اور پونجی اپنی بیوی کے نام منتقل کردیتا تھا، اور وقت گذر جانے کے بعد دوبارہ اپنے نام کرلیتا تھا، ان کی ان بددیانتیون اور ریاکاری سے ملا صاحب اُن کے خلاف ہوگئے، اور اپنی تاریخ مین اُن کی بڑی خبر لی ہے، ملا صاحب کی اسی روش نے ان کے راستہ مین کانٹے بوئے، ورنہ وہ فیضی اور ابوالفضل سے پیچھے نہ رہتے،

---

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۰۰ [2] ایضاً ص ۳۰۰ [3] و مخدوم الملک در احمد آباد درگذشت ...... و قاضی علی از فتح پور بجہت تحقیق اموال او نامزد شدہ بلاہور آمد و چندان خزائن و دفائن او پدید گشت کہ قفل آن را کلید وہم نتوان کشاد از آن جملہ چند صندوق خشت طلا از گورخانہ مخدوم الملک کہ بہانۂ اموات دفن کردہ بود ظاہر شد" (منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۳۱۱)

ملا صاحب صوفیہ و مشائخ کا دل سے احترام کرتے تھے، اور اُن کی صحبت مین رہنا باعث فخر و نجات سمجھتے تھے، جہان کہین بھی جاتے صوفیائے کرام کی صحبت سے فیضیاب ہوتے، اپنی تاریخ مین اس کا اظہار جابجا کیا ہے، ایک مرتبہ ملا صاحب شیخ ابو اسحاق لاہوری کے یہان مہمان ہوئے، اور ان کی زیارت کرنے کے بعد شیر گڈھ روانہ ہوئے، راستہ مین قزاقون اور جاٹون نے انھین گھیر لیا، اور دریافت کیا کہ وہ اس خطرناک راستہ سے تنہا کہان جارہے ہین، ملا صاحب نے کہا شیخ اسحاق کی زیارت کرنے کے بعد میان داؤد سے ملنے جارہے ہین، میان صاحب کا نام سنتے ہی قزاقون نے ارادہ بدل دیا، اور دودھ اور دیگر اشیائے خوردنی کو ان کی تواضع کرکے اُن کو رخصت کردیا،[1] ملا صاحب کو شیخ داؤد سے بڑی عقیدت تھی، شیخ موصوف بڑے مذیاپیدونی تھے، ایک روز ملا صاحب سہارنپور مین تھے کہ ایک مسافر نے قادر یہ پیراہن لاکر ان کو دیا، ملا صاحب کے استفسار پر اُس نے بتلایا کہ شیخ داؤد نے یہ پیراہن اس کو دیا تھا، راستہ مین خطرہ تھا، اسی مسافر نے اس کی حفاظت کے خیال سے یہ پیراہن ملا صاحب کو دیدیا، یہ معلوم ہونے کے بعد ملا صاحب نے نہایت احترام سے پیراہن کو اپنے پاس رکھا،

........[2] کہ ما را چیزے بخشید ند چون نوبت بمن رسید این پیراہن را از بدن مبارک فرو دآوردہ مرحمت فرمودند و من پوشیدن آن را گستاخی دانستہ برائے تحفہ بردن بجائے بامانت نگاہ داشتہ بودم حالا بشما میگذرانم آن ہدیۂ غیبی و گنج باد آوردہ را بتمین و تبرک از و گرفتم،

قطعہ

نکہت پیراہنت آمد بہ من	لذت جان یافتم زان رایحہ
خواندہ بودم فاتحہ وصل ترا	شد قبول الحمد للہ فاتحہ

اسلام شاہ نے اپنے زمانہ مین مشہور و معروف ولی و صوفی شیخ علائی کو مروا ڈالا تھا، ملا صاحب نے اس

---

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۹۰، ۱۴ [2] ایضاً ص ۲۷، ۳۸

عقیدتمندی مین لکھتے ہین کہ اسی وجہ سے اسلام شاہ کی سلطنت کا تختہ الٹ گیا،

وبعد ازین قضیہ زوال شد و دولت

اسلیم شاہی بدو سال نکشید"

ملاصاحب بڑے زندہ دل اور یارباش آدمی تھے، حلقۂ احباب مین رہنا بہت مرغوب تھا، اپنی تاریخ مین جا بجا دوستون کی موت پر دلی رنج وغم کا اظہار کیا ہے، چنانچہ خواجہ ابراہیم حسین اور نظام الدین احمد صاحب طبقات اکبری کی موت پر بڑے افسوس کا اظہار کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہین[۲]:-

"دیکے از شاگردان میر درخط واز مصاحبان فقیر خواجہ ابراہیم حسین احدیست رحمہ اللہ کہ از بزرگ زادگان بدۂ بلوط وخویشان نزدیک شیخ عبدالرحمن لاہوری بلوطی است کہ در مقتدائی دولایت مشربی درزمان خود شہرۂ روزگار بود واز عالم غرور در عین جوانی بدار سرور رفت ودلہاے احباب را کباب ساخت وفقیر را در یکسال بتفاوت اندک ایام مصیبت او وہم مصیبت مرزا نظام الدین احمد رسید وداغ یاران کہنہ را تازہ ساخت وروز بروز تازہ می شود (نظم)!

دریغا درد را مرہم ندیدم	امید وصل بود آن ہم ندیدم
ازان کار مراست است بنیاد	کہ عہد دوستان محکم ندیدم

مولانا علی احمد نشانی جو اپنے دور کے مشہور خطاط اور شاعر تھے، ملاصاحب کے دوستون مین تھے، اُن کو اُن سے خاص لگاؤ تھا، ملاصاحب نے بڑے شوق سے ان کا تذکرہ کیا ہے، اور اُن کے اشعار اپنی تاریخ مین نقل کئے ہین، چنانچہ لکھتے ہین[۳]،

...... چون فقیر را از ریعان عہد شباب تا ہنگام این انتخاب کہ زبان کلوت

---

[۱] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۴۰۰، [۲] ایضاً حصہ سوم ص ۴۰۴، [۳] ایضاً ص ۳۵۰،

بلکہ شیخوخت است باد جہتہ اتحاد واعتقاد وارتباط واختلاط از ہر چہ تصور توان کرد قوی تر است اگر بعضی از فوائد منظومہ ومنثورۂ او را با سباغ واشباع ایراد نماید جاے آن دارد، از اشعار اوست!

ترا تا سبزۂ خط برلب جان بخش پیدا شد	مسیحا بود تنہا خضر ہمراہ مسیحا شد
محتسب دی خم شکست آب تناک ریخت	خاک من برباد داد خون من برخاک ریخت
یاد از یار بخبر بردل ناشاد آورد	اعتمادی نتوان بر سخن باد آورد
مرا ہر شب چو زندان خواب گیر چشم تر گردد	دلم را باغمت بیدار بیند باز بر گردد

ملاصاحب نے انکی تتبع مین حسب ذیل اشعار کہے ہین،

بعد امید قاصدی فرستم سوی آن بدخو	معاذ اللہ ازان ساعت کز ونومید بر گردد
تا سینہ از خدنگ جفای تو خستہ ایم	مرہم نماندہ ایم و جراحت نبستہ ایم

ملاصاحب کے اکثر دوست واحباب اُن کی زندگی ہی مین مرگئے، اور وہ تنہا رہ گئے تھے، ملا عبد ی ذکر مین اپنے دوستون کی مفارقت اور اپنی تنہائی کا بڑے درد واثر سے تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہین[۱]،

"نازم بسنگدلی خویش کہ در فراق چہ کسان سنگ بر سینہ زدہ نشستہ ایم"

ملاصاحب کے حلقۂ احباب مین فیضی تھے، وہ دونون ہم مکتب وہم جماعت تھے، اور چالیس سال تک ے تعلقات قائم رہے، فیضی نے دوستی کی خاطر ملاصاحب کی جو بڑی مدد کی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اکبر ملا ب برہم ہوگیا تھا، اوران کو اُن کے عہدہ سے برطرف کر دیا، اس وقت فیضی دکن مین تھا، ملاصاحب نے فیضی کو لکھے کہ وہ اکبر سے اُن کی سفارش کر دے فیضی نے ۱۰ رجمادی الاول ۱۰۰۰ھ مطابق فروری ۱۵۹۲ء احمد نگر سے لاہور ایک سفارشی خط اکبر کے نام بھیجا، جو واقعی دوستی کا حق ادا کرتا ہے[۲]،

---

[۱] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۵۰، [۲] ایضاً ص ۳۵۱، [۳] ایضاً ۸۳، [۴] ایضاً ۳۰۵،

خط کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں :۔

"[1]......شکستہ نواز ملا عبدالقادر اہلیت تمام دارد...... و قریب بسی و ہفت سال می شود

کہ بندہ او را مید انم و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشاے عربی و فارسی و چیزے از نجوم ہندی

و حساب یادداشت...... و وقوف در نغمہ ولایت و ہندی و خبری از شطرنج صغیر و کبیر دارد

و مشق بین بقدری کردہ...... اول مرتبہ او را جلال خان قورچی بدرگاہ آوردہ بعرض رسانیدہ

بود و کمترین اما می بر حضرت پیدا کردہ ام کہ حضرت را خوش خواہد آمد و میر فتح اللہ ہم اندکی از احوال او

بعرض اقدس رسانیدہ بودند و خدمت اخوی بر حال او مطلعند اما مشہور است ع

جوے طالع ز خروارے ہنر بہ

......بندہ خود را حاضر پایۂ سریر والا دالستہ، و ال بعرض رسانید اگر درین وقت بعرض

نمی رسانید نوعی از ناراستی و بی حقیقتی بود......"

لیکن افسوس کہ ملا صاحب نے اس دوستی کے باوجود فیضی کی جا بجا مذمت کی ہے، اُن کو خود بھی

اس کا اقرار ہے کہ فیضی نے اُن کی بڑی مدد کی لیکن ملا صاحب کٹر مسلمان تھے اس لئے انھیں فیضی کی

وسیع المشربی پسند نہ تھی، اس لئے انھوں نے فیضی کی مذمت کی،[2] شیخ یعقوب کشمیری کے ایک خط سے جو

انھوں نے فیضی کو لکھا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب دوستوں میں بہت مقبول اور ہر دلعزیز تھے، اور ان

کے دوست اُن کی بڑی عزت و حرمت کرتے تھے، شیخ یعقوب نے خط کی ابتدا میں ملا صاحب کی خوبیاں بیان

کی ہیں، اور اُن کی شان میں یہ رباعی لکھی ہے،[3]

از دوانی مدد انی بیشک	در فنون فضیلت است فزون
پس دلیل زیادت معنیش	کہ بنا پیش بصورت فزون

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۰۲، [2] ایضاً ص ۳۰۵ [3] ایضاً ص ۱۴۴،

ملا صاحب عالم ہونے کے ساتھ فنِ موسیقی کے بھی ماہر تھے، انھیں موسیقی سے بڑی دلچسپی تھی، وہ گاتے

بھی تھے، اور بین بھی خوب بجاتے تھے فیضی نے جو سفارش نامہ ان کے لئے اکبر کو بھیجا تھا، اس میں اس کا

خاص ذکر کیا تھا،[1]

"وقوف در نغمہ ولایت و ہندی...... دارد و مشق بین بقدری کردہ"

خنجر بیگ کے حالات میں ملا صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ایرانی اور ہندی موسیقی دونوں میں ماہر تھے، خاص کر

چھ راگوں میں جن سے مراد بھیروی، سارنگ، ہندول، وسنت، دیپک اور میگھ ہے، ان چھ راگوں کا جاننا کار

مشکل ہے، اس سے موسیقی میں ملا صاحب کی مہارت کا پتہ چلتا ہے، (باقی)

[1] منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۳۴۴،

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایوں نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی

کی اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشا کو چمکایا، شاہجہان نے

شعرا اور فضلا کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشا پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری

دور کے آخری بادشاہوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے

عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں دربار کے

امرا، شعرا، اور فضلا نے شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات..... دکھائے ان سب کی تفصیل اس کتاب

میں ملاحظہ فرمائیے، قیمت: ہے (مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب)

"منیجر"

آثار علمیہ و ادبیہ

مکاتیب سر اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی

"معارف مین حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہندوستان کے مشاہیر اور علماء و اصحاب کمال کے خطوط کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے وہ بہت پسند کیا گیا، گذشتہ مہینہ تمام ہوگیا تھا تو اس کو جاری رکھنے کے لئے متعدد خطوط آئے، ان کے نام سر اقبال کے بھی بہت سے خطوط ہین، یہ خطوط اگرچہ اُن کے مجموعۂ مکاتیب "اقبال نامہ" مین شائع ہو چکے ہین، مگر یہ اصل مین دار المصنفین ہی کی ملکیت ہین، اور یہین سے اُن کی نقل بھیجی گئی تھی، یہ خطوط علمی حیثیت سے بہت اہم ہین اور اکثر ناظرین معارف کی نگاہ سے نہ گذرے ہون گے، اس لئے معارف مین بھی اُن کو شائع کر دینا مناسب معلوم ہوا، اس کے بعد انشاء اللہ دوسرے اکابر کے غیر مطبوعہ خطوط مسلسل شائع کئے جائین گے، "م"

(۱)

لاہور - یکم نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی السلام علیکم

اورینٹل کالج لاہور مین ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ہوئی ہے، اس کی تنخواہ ایک سو بیس روپیہ

ماہوار ہے، مین یہ دریافت کرنا چاہتا ہون کہ کیا آپ اس جگہ کو اپنے لئے پسند فرماتے ہین، اگر ایسا ہو تو آپ کے لئے سعی کی جائے، آپ کا لاہور مین رہنا پنجاب والون کے لئے بیحد مفید ہوگا، والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال بیرسٹر - لاہور

(۲)

لاہور - ۱۲ نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی السلام علیکم :-

مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ ملازمت کوئی قبول نہ کرین گے، لیکن سنڈیکیٹ کے بعض ممبرون کی تعمیل ارشاد مین آپ کو لکھنا ضرور تھا، کسی قدر خود غرضی کا شائبہ بھی میرے خط مین تھا، اور وہ یہ کہ مین چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والون کو صوبہ متحدہ کے علماء و فضلاء سے اس سے پیشتر فائدہ پہنچا ہے، اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہان رہنے سے بدستور جاری رہے، مولانا شبلی مرحوم کی زندگی مین مین نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا مرحوم پنجاب مین مستقل طور پر اقامت گزین ہو جائین، مگر مسلمان امراء مین مذاق علمی مفقود ہو چکا ہے، میری کوشش بارآور نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ دار المصنفین کے کام مین برکت دے، اور آپ کا وجود مسلمانون کے لئے مفید ثابت کرے، آپ کی غزل لاجواب ہے، بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا،

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل مین
وہ اک قطرۂ خون جو رگ گلو مین ہے

مولانا شبلی مرحوم و مغفور نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع کیا تھا، اور جو چند نظمین انھون نے لکھی تھین وہ نہایت مقبول ہوئین، غزل کے ساتھ وہ سلسلہ بھی جاری رکھئے،

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا،

مخلص محمد اقبال - لاہور

(۳)

لاہور - ۱۳ر نومبر ۱۹۱۷ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ قوتِ روح اور اطمینان قلب کا باعث ہے، مین ایک مدت کے مطالعہ اور غور و فکر
کے بعد انہی نتائج پر پہنچا ہون جو آپ کے والانامے مین درج ہین، جو کام آپ کر رہے ہین، جہاد فی سبیل اللہ
ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائین گے، اس مین ذرا بھی شک نہین کہ تصوف کا وجود
ہی سرزمینِ اسلام مین ایک اجنبی پودا ہے، جس نے عجمیون کی دماغی آب و ہوا مین پرورش پائی ہے،
آپ کو خیر القرون قرنی والی حدیث یاد ہوگی، اس مین نبی کریمؐ فرماتے ہین کہ میری اُمت مین تین
قرنون کے بعد سمن (ویظہر فیہم السمن) کا ظہور ہوگا مین نے اس پر دو تین مضامین اخبار وکیل امرتسر
مین شائع کئے تھے، جس کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ "سمن" سے مراد رہبانیت ہے، جو وسط ایشیا کی اقوام مین
مسلمانون سے پہلے عام تھی، ائمہ محدثین نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ لکھا ہے کہ اس لفظ سے مراد عیش پرستی ہے
مگر لسانی تحقیق سے محدثین کا خیال صحیح نہین کھلتا، افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے مین ان
مضامین کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا، میرا تو عقیدہ ہے کہ غلو فی الزہد اور مسئلہ وجود مسلمانون مین زیادہ تر
بدھ (سمنیت) مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہین، خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل مین بہت بڑی
عزت ہے، مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ مین رنگ گیا ہے، یہی حال سلسلہ قادریت کا ہے
جس مین مین خود بیعت رکھتا ہون. حالانکہ حضرت محی الدینؒ[1] کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک
کرنا تھا،

مؤلف سے میری مراد ایڈیٹر کتاب الطواسین موسیو مسیگنان ہے جس نے فرانسیسی زبان مین فوا

[1] حضرت محی الدین عبد القادر گیلانی،

کے مضامین پر حواشی لکھے ہین، انشاء اللہ معارف کے لئے کچھ نہ کچھ لکھون گا، میری صحت بالعموم اچھی نہین
رہتی، اس واسطے بہت کم لکھتا ہون، مثنوی اسرارِ خودی کا دوسرا حصہ یعنی رموزِ بےخودی (اسرار حیات ملیہ
اسلامیہ) قریب الاختتام ہے، شائع ہونے پر ارسالِ خدمت کرون گا، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا،

مخلص محمد اقبال

(۴)

لاہور - ۲۸ر اپریل ۱۹۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

والانامہ بھی ملا ہے، رموزِ بےخودی مین نے ہی آپ کی خدمت مین بھجوائی تھی، ریویو کے لئے
سراپا سپاس ہون،
آج مولانا ابو الکلام کا خط آیا ہے، انھون نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے، مولانا
شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذ الکل ہین، اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہوگا، اسرارِ خودی کا
دوسرا اڈیشن تیار کر رہا ہون، عنقریب آپ کی خدمت مین مرسل ہوگی،
رسالہ صوفی مین مین نے کوئی نظم شائع نہین کی، کوئی پرانی مطبوعہ نظم انھون نے شائع کر دی ہوگی،
ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ مین صوفی کو معارف پر ترجیح دون، معارف ایک ایسا رسالہ ہے، جس کے پڑھنے
سے حرارتِ ایمانی مین ترقی ہوتی ہے، مین انشاء اللہ ضرور آپ کے لئے کچھ لکھون گا، یہ وعدہ کچھ عرصہ ہوا
مین نے آپ سے کیا تھا، اور مین اس وقت تک پورا نہین کر سکا،

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور،

(۵)

لاہور - ۱۰ر مئی ۱۹۱۸ء

مخدوم مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب السلام علیکم

معارف مین ابھی آپ کا ریویو مثنوی رموزِ بےخودی پر نظر سے گذرا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہون آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاے خیر دے

صحتِ الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپنے لکھا ہے، ضرور صحیح ہوگا، لیکن اگر آپ ان لغزشون کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میرے لئے آپ کا ریویو زیادہ مفید ہوتا، اگر آپ نے غلط الفاظ و محاورات نوٹ کر رکھے ہین، تو مہربانی کر کے مجھے اُن سے آگاہ کیجئے کہ دوسرے ایڈیشن مین اُن کی اصلاح ہوجائے

غالباً آپنے "رموزِ بیخودی" کے صفحات پر ہی نوٹ کئے ہون گے، اگر ایسا ہو تو وہ کاپی ارسال فرما دیجئے، مین دوسری کاپی اس کے عوض مین آپ کی خدمت مین بھجوا دون گا،

اس تکلیف کو مین ایک احسان تصور کرون گا، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا،

مخلص محمد اقبال، لاہور

(۶)

مخدومی مولانا، السلام علیکم

چند اشعار معارف کے لئے ارسالِ خدمت ہین، ان مین سے جو پسند آئے، اسے شائع کیجئے،

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا،

نہ سلیقہ مجھ مین کلیم کا نہ قرینہ تجھ مین خلیل کا — مین ہلاکِ جادوے سامری تو قتیلِ شیوۂ آزری

مین نواے سوختہ در گلو، تو پریدہ رنگ رمیدہ بو — مین حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ دلبری

مرا عیش غم مرا شہد سم، مری بود ہم نفسِ عدم — ترا دل حرم گروِ عجم، ترا دین خریدۂ کافری

تری راکھ مین ہے اگر شرر، تو خیالِ فقر و غنا نہ کر — کہ جہان مین نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا — کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری

گلۂ جفاے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے — کسی بتکدے مین بیان کرون تو کہے صنم بھی ہری ہری

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہین منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھین دماغِ سکندری

مخلص محمد اقبال لاہور ۲۳ر مئی ۱۹۱۸ء

(۷)

لاہور - ۸ر دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

"رموزِ بیخودی" کی لغزشون سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا، اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہوگیا، امید کہ توجہ فرمائی جائے گی تاکہ مین دوسرے ایڈیشن مین آپ کے ارشادات سے مستفید ہو سکون،

وسایتر کے حوالون کے متعلق آپ نے لکھا تھا، اس وقت اورینٹیل کالج لاہور کا کتب خانہ بند تھا، اور اب بھی بند ہے، اکتوبر مین کھلے گا، اگر کچھ حوالے دستیاب ہوگئے تو عرض کرون گا،

والسلام

مخلص محمد اقبال

روس کے مسلمانون کے متعلق جو مضمون معارف مین شائع ہوا ہے، اسے ایک علحدہ رسالے کی صورت مین شائع کرنا چاہیئے،

محمد اقبال

---

(۸)

لاہور۔

۴ر اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدوم مکرم جناب مولانا السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لئے نہایت ممنون ہوں مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچا، میں چند روز کے لئے شملہ گیا تھا، وہاں معلوم ہوا کہ آپ بھی تشریف رکھتے ہیں، افسوس ہے کہ آپ کی ملاقات نہ ہو سکی، مجھے ایک ضروری کام درپیش تھا جس میں مصروفیت رہی، البتہ معنوی طور پر آپ کی صحبت رہی، کیونکہ رات کو سیرتِ نبوی کا مطالعہ رہتا تھا، مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے جس کا صلہ دربار نبوی سے عطا ہوگا،

قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا، بالکل بجا ہے، مگر چونکہ شاعری اس مثنوی[۱] سے مقصود نہ تھی، اس واسطے میں نے بعض باتوں میں عمداً تساہل برتا، اسکے علاوہ مولانا روم کی مثنوی میں قریباً ہر صفحہ پر اس قسم کی قوافی کی مثالیں ملتی ہیں اور ظہوری کے ساقی نامہ کے چند شعر بھی زیر نظر تھے، غالباً اور مثنویوں میں بھی ایسی مثالیں ہونگی

محمولِ تشبیہ کے متعلق کاش آپ سے زبانی گفتگو ہو سکتی، قوتِ واہمہ کے عمل کے رو سے بدل آں دنی کا طرق زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، گو کتب بلاغت کے خلاف ہے، زمانۂ حال کے مغربی شعراء کا بھی طرز عمل یہی ہے، تاہم آپ کے ارشادات نہایت مفید ہیں، اور میں اُن سے مستفید ہونے کی پوری کوشش کرونگا،

آبِ تیغ رو، کلمہ بسکونِ لام، باریک تر از جو (یعنی کم در عرض و عمق)، کوری ذوق، محفل از ساغر رنگین کن، سرمہ از دیدۂ مردم شکست، ساز برق آہنگ، از تجمل غربت (یعنی شہر) نوا بالیدن، تیغ آفتاب اندر نفس وغیرہ کی مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں، مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضائع ہوگا نظر انداز کرتا ہوں،

---

[۱] اسرار خودی۔

البتہ اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا، محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میں نے غلط مثالیں تو انتخاب نہیں کیں، ایک مرد یافت طلب ہو اس سے آگاہ فرما کر ممنون کیجئے، "قطرۂ از نرگس شہلا ستی" پر جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے میں نہیں سمجھ سکا، کیا آپ کا یہ مقصود ہے کہ قطرہ کا لفظ شہلا کے لئے (یعنی قطرۂ شہلا) موزوں نہیں، علیٰ ہذا القیاس "خیمہ بر زد در حقیقت از مجاز" "نعرہ زد شیرے از دامانِ دشت" "با زبانت کلمۂ توحید خواند" کے متعلق بھی یہی سوال ہے،

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، اس طویل خط کے لئے معافی چاہتا ہوں،

مخلص محمد اقبال

(۹)

لاہور - ۲۰ر نومبر ۱۹۱۸ء

مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کئی روز ہوگئے ایک عریضہ خدمتِ عالی میں لکھا تھا، جواب سے ہنوز محروم ہوں "خیمہ بر زد از حقیقت در مجاز" کے متعلق آپنے ارشاد فرمایا تھا کہ اس میں تجاوز کا مفہوم نہیں ہے، کیونکہ خیمہ بر زدن کے معنی قیام کرنے کے ہیں، میں تلاش میں تھا کہ کوئی سند مل جائے، جیسا کہ میں نے گذشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا آج کلیات سعدی میں وہ سند مل گئی، جو ارسالِ خدمت ہو۔

صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار — وقت آں نیست کہ در خانہ نشینی بیکار

بوصیری کو چادر عطا ہونا کئی روایات میں آیا ہے، گذشتہ خط میں اس کا حوالہ لکھنا بھول گیا تھا، مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے شرح قصیدہ بردہ میں منجملہ اور روایات کے یہ روایت بھی لکھی ہے مطلع فرمایئے کہ جو … میں نے اپنے خطوط میں لکھے ہیں، اُن کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے، الفاظ، درشتہ، اور خیال کے متعلق بھی … کروں گا، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، آپ کا مخلص محمد اقبال

ادبیات

سید الملت کا ماتم

آہ! علامہ سلیمان ندوی

از جناب ثاقبؔ کانپوری

سرنگون علم و عمل کا ہے پھریرا کیون آج — غم زدہ ہم کو نظر آتی ہے دنیا کیون آج

آج ندوے مین بچھی ہے صفِ ماتم کیسی — حشر سے پہلے یہ اک حشر ہے برپا کیون آج

کون روپوش ہوا نیّرِ اخلاص و عمل — تارے مدھم سے ہین او چاند ہے دھندلا کیون آج

ہل رہی ہے غم و اندوہ سے قبرِ شبلی — زلزلہ ہند کے اطراف مین آیا کیون آج

آج سب اہلِ نظر چاک گریبان کیون ہین — اشک آلودہ ہے ہر دیدۂ بینا کیون آج

آج سنتے ہین کہ مولانا سلیمان نہ رہے

تھے جو انسانون مین ممتاز وہ انسان نہ رہے

اے سلیمان تری عظمت ہے زمانے پہ عیان — جانتا کون نہین آج تری قدرِ جلیل

نثر کا تیری تھا انداز معارف پرور — کیا غلط ہے کہ جو شبلی سے تجھے دین تمثیل

کام جو باقی تھا پورا وہ کیا ہے تو نے — سیرتِ احمدِ مرسلؐ کی ہوئی ہے تکمیل

تجھ کو بخشے گئے وہ علم و ادب کے جوہر — بن گئے نقشِ قدم تیرے ادیبون کے دلیل

علمِ تاریخ کا بے شبہ محقق تو تھا — قدرِ تصنیف کی متعین تیری تصانیف کفیل

تھی ضرورت کہ ابھی اور جہان مین رہتا — آہ افسوس کہ رحلت مین ہوئی ہے تعجیل

مرگِ بے وقت نے کیا داغِ دوگونا چھوڑا

بزمِ تالیف و تصانیف کو سونا چھوڑا

چاہتے تھے تجھے ہم تیری بھی ہستی نہ رہی — موت سے تیری ہے برپا اک کہرام

اللہ اللہ یہ تری موت کا غمناک اثر — غم کدہ ندوہ ہے تصویرِ الم ہین در و بام

اے کس وقت تجھے موت نے ہم سے چھینا — کام جو تیرے تھے اب انکا کرے کون انجام

کشورِ پاک کو اب بھی تھی ضرورت تیری — سامنے تھے ترے آئین شریعت کے کام

تو دیا کرتا تھا اکثر مرے گھر کو عزت — کیون جدائی سے نہ ہون پھر مرے دل کو آلام

ہستیان ایسی کہان ایسے اب افراد کہان

ثاقبؔ اب قوم مین اس قسم کے متا کہان

قطعاتِ تاریخِ رحلتِ حضرت علامہ سلیمان ندوی

از

جناب عطاء الرحمن صاحب عطاؔ کاکوی

وہ آہ! حضرت علامہ سلیمان آہ!! — رموزِ دینِ متین کا وہ رازدان نہ رہا

وہ نورِ علم، وہ غواصِ بحرِ سیرتِ پاک — چراغِ مصطفوی کی وہ تابناک ضیا

وہ عالمِ متبحر، فقیہ نکتہ شناس — ادیب بے بدل و بے نظیر و بے ہمتا

وہ جلوۂ گلِ سرسبدِ گلشنِ ندوہ — شمیمِ عطرِ تقدس نسیمِ باغِ صفا

تھا جس کی ذات پہ دارالمصنفین کو ناز — ہزار حیف وہ سرمایۂ ادب نہ رہا

جنیدِ ہند وہ اشرف علی کا حلقہ بگوش — بہ فیضِ زہد و ورع جانشین شبلی کا

وہ فخر ملت اسلامیہ، فرید العصر	نجم معارف دین کی ضیائے سرور افزا
زمین تک تھی سی فضا سونی سونی مجلس ہر	چراغ علم بجھا آہ! آہ! آہ!! آہ!!! اعتذا

۱۳۷۳ھ

قطعۂ تاریخ انتقال پر ملال علامہ سید سلیمان ندوی بصنعت صوری و معنوی

از جناب سید زمان صاحب اسعد بجنبیر ایونی

شد چو علامہ سلیمان ز دہر	شد جہان وقف صدمۂ آلام
صوری و معنوی سنہ ہجری	غم بتفسیر بالش خواص و عوام
زد رقم = از ربیع الاول آہ	بود یکشنبہ - یوم چاردہ شام

۱۳۷۳ھ صوری (و شو) ۱۳۷۳ معنوی

ایضاً دیگر

علامہ سلیمان چو رفتہ ازین جہان	آمد ندا بگوش من او غم بجگب غم
تاریخ صوری معنوی، از شہر باز دو	یکشنبہ - شام بست و دو افسوس کن رقم

۱۹۵۳ صوری
۱۹۵۳ معنوی

مطبوعات جدیدہ

تاریخ القرآن مؤلفہ جناب یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدی تقطیع بڑی ضخامت ۱۹۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہت معمولی قیمت عہ پتہ (۱) عرفانی الاسدی، الشرقین لمیٹڈ سکندر آباد حیدرآباد دکن (۲) قریشی عطاء الرحمٰن دار المسیح قادیان پنجاب (۳) دفتر الحکیم عیدگاہ روڈ کراچی ع۱

مصنف نے قرآن مجید کی خدمت کو مقصد زندگی بنالیا ہے اور نصف صدی سے یہ کام انجام دیتے ہیں، اور قرآن مجید کے مختلف پہلوؤں پر متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں، مذکورہ بالا کتاب ان کی نئی تالیف ہے اس میں قرآن مجید کے نزول، اور اس کی ترتیب و تدوین کی تاریخ بیان کی گئی ہے، اس پر مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، مختلف سورتوں کے مضامین کا ایک دوسرے سے ربط دکھایا گیا ہے، ناسخ و منسوخ کی حقیقت ظاہر کی گئی ہے، اور قرآن مجید کے ظاہری و معنوی اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان مباحث کے علاوہ قرآن مجید کے متعلق اور بہت سے متفرق معلومات ہیں، اس لحاظ سے یہ کتاب مفید ہے لیکن کتاب کی ترتیب اچھی نہیں ہے، ہر بحث میں شاخ در شاخ بحثیں اور غیر متعلق باتیں آگئی ہیں جن سے پڑھنے میں الجھن ہوتی ہے، روایتوں کے نقل میں احتیاط نہیں کی گئی ہے، ہر قسم کی روایتوں پر اعتماد کر لیا گیا ہے، سورتوں کے مضامین کا ربط بھی بعض مقامات پر دلنشیں نہیں ہے، مصنف کی بعض رایوں میں بھی اختلاف کی گنجایش ہے مگر ان خامیوں کے باوجود یہ کتاب قرآن مجید کے متعلق متفرق مفید معلومات کا اچھا مجموعہ اور اس کو بعض حیثیتوں سے اردو کی اتقان کہا جا سکتا ہے،

حقیقت ذکر، مرتبہ جناب مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی تقطیع چھوٹی ضخامت

۲۷۲ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ غیر مجلد عا، پتہ:- کتب خانہ انجمن ترقی اردو بازار جامع مسجد دہلی، ۶

اسلام کی اصل روح تعلق مع اللہ اور اس کا وسیلہ ذکر و فکر ہے، اس کی ساری عبادتیں اور دعائیں وغیرہ سب ذکر ہی ہیں، اردو میں ماثورہ دعاؤں کے مجموعے اور بعض اذکار پر تو کتابیں ہیں لیکن کوئی ایسی کتاب نہیں تھی، جو ذکر کی تمام قسموں، اور اس کے طریقوں پر حاوی ہو، حقیقت ذکر اس موضوع پر بہت جامع کتاب ہے، اس کے شروع میں ذکر کی حقیقت، اس کی اہمیت، اور اس کے فضائل و برکات پر اجمالی تبصرہ ہے، اس کے بعد ذکر کی مختلف قسموں، اسماء الٰہی کا ذکر، تسبیح و تحمید، ماثورہ دعاؤں، توبہ، صلوٰۃ وسلام، تلاوت قرآن، آیات الٰہی و صفات باری پر غور و فکر، مراقبہ، اور اوراد و وظائف وغیرہ کا مفصل تذکرہ ہے اور ان میں سے ہر ذکر کی خصوصیات، اس کے فوائد و فضائل و برکات، ان کے کرنے کے طریقوں اور شرائط وقیود وغیرہ ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اس قسم کی کتابیں عام طور پر غیر مستند و غیر مسنون اذکار اور ان کے غیر اسلامی طرق سے خالی نہیں ہوتیں، مگر یہ کتاب ان نقائص سے پاک ہے، اور اس کا کوئی ذکر اور کوئی طریقہ کتاب و سنت کے دائرے سے باہر نہیں ہے، اور اس میں صرف انہی اذکار کا ذکر ہے جو حدیثوں سے ثابت ہیں، جن لوگوں کو اس کا ذوق ہو ان کے معمولات کے لئے بہت کارآمد ہے،

تحقیقی مطالعے

از جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۷۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، قیمت: عہ، پتہ، دانش محل امین آباد پارک لکھنؤ،

یہ کتاب فاضل مصنف کے چھ محققانہ مقالات کا مجموعہ ہے، غالب اور ظہوری، کتاب نورس، کتاب نورس کے مخطوطات، گلزار ابراہیم، خوان خلیل اردو شہ پارے پر ایک نظر، معدن الشفائے سکندر شاہی، یہ مقالات معارف اور بعض دوسرے رسالوں میں چھپ چکے ہیں، مصنف نے اس کا تعارف خود ان الفاظ

میں کرایا ہے کہ پہلا مضمون ظہوری کے شعری کمالات کا مظہر ہے، دوسرا مشہور ہوا نثر الفتن کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے، تیسرے سے اندازہ ہو سکے گا کہ نورس کے مخطوطات کے جمع کرنے میں کس قدر جستجو ہوئی، اور ان کے منتشر اوراق درست کرنے میں کتنی کاوش اور دیدہ ریزی کی گئی، چوتھے سے ظاہر ہوگا کہ کس طرح گلزار ابراہیم و خوان خلیل کی دریافت نے سنہ نثر ظہوری کی تاریخی حیثیت پوری طرح واضح کر دی ہے، پانچواں گو ایک کتاب کی تنقید پر مشتمل ہے، مگر اس میں تحقیق کے غوامض اور دقائق سے بحث ہے جس سے عہدہ برآ ہونا ہر محقق کا فرض ہے، چھٹے میں ایک تاریخی شخصیت (سکندر لودی کا وزیر میاں بھوہ ابن خواص خان مصنف معدن الشفائے سکندر شاہی) سامنے آتی ہے، مگر یہ مختصر تعارف ان مقالات کی علمی و تحقیقی حیثیت کو ظاہر کرنے کیلئے کافی نہیں ہے اور اس کا صحیح اندازہ ان کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اور علمی و تحقیقی حیثیت سے یہ مجموعہ اصحاب علم و نظر کے مطالعہ کے لائق ہے،

ایک اور مشرقی کتب خانہ

مرتبہ جناب عبد القوی صاحب دیسنوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد، قیمت تحریر نہیں، پتہ مصنف دیسنہ ضلع پٹنہ سے ملے گی،

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کا وطن دیسنہ ضلع پٹنہ مسلمان شرفاء کی قدیم اور مردم خیز بستی ہے، یہاں ہر زمانہ میں اصحاب علم و کمال پیدا ہوتے رہے، آج بھی اس گاؤں میں تعلیم کا جتنا چرچا ہے وہ کسی شہر میں بھی مشکل سے ملے گا، اس لئے یہاں ہر دور میں علم و فن کا مذاق رہا، اور آج سے نصف صدی سے اوپر یہاں اردو کا ایک کتب خانہ قائم ہے، جو ہندوستان میں اپنی خصوصیت میں منفرد ہے، اردو کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی اتنی بڑی تعداد مشکل سے کسی دوسرے کتب خانہ میں مل سکتی ہے، اس کی تقریباً کل مطبوعہ کتابیں اس کتب خانہ میں موجود ہیں، اس لئے شائقین دور دور سے اس کو دیکھنے کے لئے آتے

مطبوعات جدیدہ

ہیں، اس کی ترقی کا سہرا کتب خانے کے پرانے اور کہن سال ناظم مولوی سید عبد الحکیم صاحب کے سر ہے، جنھوں نے اپنی پوری عمر اس کتب خانہ کے لئے وقف کر دی تھی، اس کی گولڈن جبلی کی یادگار میں، پٹنہ کے ایک ہونہار نوجوان عابد نقوی صاحب نے اس کتب خانہ اور پٹنہ کی مختصر تاریخ قلمبند کی، اس میں یہاں کے ہر زمانہ کے اصحاب علم و کمال کا بھی تذکرہ ہے، اس آخر میں اردو کے مخطوطات کا کسی قدر تفصیلی، اور عربی و فارسی کے مخطوطات اور اردو کی فورٹ ولیم کالج وغیرہ کی قدیم مطبوعات کا اجمالی ذکر، اور پرانے اخبارات و رسائل کے نام کی فہرست ہے، کتاب کے شروع میں کتب خانہ کے متعلق ان مشاہیر کی رائیں نقل کر دی گئی ہیں، جنھوں نے اس کتاب خانہ کو دیکھا ہے، اس لئے یہ کتاب اردو زبان اور اس کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

سراپاے رسول مؤلفہ جناب مولوی اعجاز الحق صاحب قدوسی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر پتہ :- مکتبۂ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد دکن،

یہ کتاب شمائل نبوی پر بچوں کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں آنحضرت صلعم کا حلیہ مبارک، لباس، ساز و سامان، عادات و خصائل، اخلاق و معاشرت احباب و اعزہ اور دوسرے متعلقین کے حقوق کی ادائگی، عبادت کے معمولات خطبۃ الوداع، اور وفات وغیرہ سیرت شمائل نبوی کے اہم رخوں کو اختصار کے ساتھ موثر انداز میں دکھایا گیا ہے، واقعات سب مستند ہیں، اور بچوں کی اخلاقی تربیت کے لئے مفید کتاب ہے،

"م"

جلد ۷۳ ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۵۴ء عدد ۵

مضامین

مقالات

آثار علمیہ و ادبیہ

ادبیات